اس شمارے میں

حرف اوّل	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	2
مطالعہ قرآن حکیم		
سورۃ البقرۃ (آیات ۳۰ تا ۳۹)	ڈاکٹر اسرار احمد	3
فہم القرآن		
ترجمۂ قرآن مجید، مع صرفی ونحوی تشریح	لطف الرحمٰن خان	19
نباتات قرآن		
شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِيْنٍ	احمد الدین مارہروی	33
حکمت نبویؐ		
اُسوۂ حسنہ کی اہمیت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	37
توضیح و تنقیح		
چہرے کا پردہ۔ واجب، مستحب یا بدعت؟ (۲)	حافظ محمد زبیر	41
تعارف و تبصرہ	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ	61

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
نمبر
11/5/06
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد

مدیر منتظم: حافظ عاکف سعید

نائب مدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارہ تحریر:

حافظ عاطف وحید

پروفیسر حافظ نذیر احمد ہاشمی - پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

جلد ۲۵ | ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ - مئی ۲۰۰۶ء | شمارہ ۵

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ - فون: ۵۸۶۹۵۰۱

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

سالانہ زرِ تعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے

ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ہم آپؐ کے مشن کو جاری رکھیں۔ آپؐ کے مشن کو جاننا تو ہر مسلمان کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ آپؐ زمین پر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مبعوث کیے گئے۔ آپؐ کی زندگی کے ابتدائی چالیس سال ایک باکردار، پاک باز، خلیق اور بہترین انسان کے طور پر گزرے۔ پھر آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور اظہارِ دینِ حق کی ذمہ داری آپؐ کو سونپی گئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اُس دن سے لے کر حیاتِ مستعار کے آخری دن تک آپؐ لگاتار انتہائی مستعدی کے ساتھ دین اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرتے رہے۔ اس راہ میں آپؐ نے انتہائی شدائد اور سختیاں برداشت کیں، مادرِ وطن سے ہجرت کرنا پڑی، اسلام دشمنوں اور مشرکین کے ساتھ خونریز جنگوں کی نوبت آئی، آپؐ کا مقدس خون بہایا گیا، مگر آپؐ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے پوری استقامت کے ساتھ کوشاں رہے، تا آنکہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اسلام نافذ ہو گیا۔ اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ آپ ﷺ کے کام کو مکمل کرنے کے سلسلہ میں بھرپور کردار ادا کرے۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

ظاہر ہے کہ اُس کے لیے ہم میں سے ہر ایک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دینی فرائض سے آگاہ ہو، اپنی ذات اور اہل وعیال کی زندگیوں میں اسلامی انداز اختیار کرے۔ نماز روزے کی پابندی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کے سلسلہ میں حدود و قیود کا بھی خیال رکھے، مگر اس کو کافی نہ سمجھے، کیونکہ مؤمن کا اصل کام تو یہ ہے کہ وہ دین اسلام کی سربلندی کے لیے کام کرے، اپنا وقت اور صلاحیتیں اس کام میں صرف کرے، مسلکی اختلاف سے بالاتر ہو کر صرف اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرے اور مسلکی اختلافات کو ہوا نہ دے۔ کسی خاص مسلک کے ساتھ منسلک ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دیگر مسالک پر تنقید کی جائے اور اپنے مسلک کو اجاگر کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اسلامی اخوت ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے خیرخواہ ہوں۔ ہمارا مطمحِ نظر قرآن وسنت پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی تبلیغ و تلقین کرنا ہونا چاہیے۔ جب ہم قرآن وسنت کو اپنا راہنما بنالیں گے تو آپس میں محبت بڑھے گی اور نفرتیں ختم ہوں گی۔ اس کے برعکس اگر ہم اپنے اپنے مسلک پر مطمئن ہوں اور دوسروں کے مسلک کو تنقید کا نشانہ بنانے میں وقت ضائع کریں تو نفرت و کدورت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا اور اظہارِ دینِ حق کا اصل کام نہ ہو سکے گا۔ ○○

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ البقرۃ

آیات ۳۰ تا ۳۹

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا
اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ
كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ
وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا
لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۡ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝
وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاَزَلَّهُمَا
الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ فَتَلَقّٰٓى
اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا
اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

آیت ۳۰ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ﴾ ''اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔''

خلیفہ درحقیقت نائب کو کہتے ہیں۔ عام طور پر لوگوں کو مغالطہ لاحق ہوتا ہے کہ خلیفہ اور جانشین کسی کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے' زندگی میں نہیں ہوتا۔ لیکن اس دنیا میں انسان کی اصل حقیقت کو سمجھنے کے لیے وائسرائے کا تصور ذہن میں رکھیے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہم انگریز کے غلام تھے۔ ہمارا اصل حاکم (بادشاہ یا ملکہ) انگلستان میں تھا' جبکہ دہلی میں وائسرائے ہوتا تھا۔ وائسرائے کا کام یہ تھا کہ His Majesty یا Her Majesty کی حکومت کا جو بھی حکم موصول ہو اُسے بلا چون و چرا بغیر کسی تغیر اور تبدل کے نافذ کرے۔ البتہ وائسرائے کو اختیار حاصل تھا کہ اگر کسی معاملے میں انگلستان سے حکم نہ آئے تو وہ یہاں کے حالات کے مطابق اپنی بہترین رائے قائم کرے۔ وہ غور و فکر کرے کہ یہاں کی مصلحتیں کیا ہیں اور جو چیز بھی سلطنت کی مصلحت میں ہو اُس کے مطابق فیصلہ کرے۔ بعینہٖ یہی رشتہ کائنات کے اصل حاکم اور زمین پر اُس کے خلیفہ کے مابین ہے۔ کائنات کا اصل حاکم اور مالک اللہ تعالیٰ ہے' لیکن اُس نے اپنے آپ کو غیب کے پردے میں چھپا لیا ہے۔ زمین پر انسان اس کا خلیفہ ہے۔ اب انسان کا کام یہ ہے کہ جو ہدایت اللہ کی طرف سے آ رہی ہے اس پر تو بے چون و چرا عمل کرے اور جس معاملے میں کوئی واضح ہدایت نہیں ہے وہاں غور و فکر اور سوچ بچار کرے اور استنباط و اجتہاد سے کام لیتے ہوئے جو بات روحِ دین سے زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھنے والی ہو اسے اختیار کرے۔ یہی درحقیقت رشتۂ خلافت ہے جو اللہ اور انسان کے مابین ہے۔

یہ حیثیت تمام انسانوں کو دی گئی ہے اور بالقوۃ (Potentially) ہر انسان اللہ کا خلیفہ ہے' لیکن جو اللہ کا باغی ہو جائے' جو خود حاکمیت کا مدعی ہو جائے تو وہ اس خلافت کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی بادشاہ کا ولی عہد اپنے باپ کی زندگی ہی میں بغاوت کر دے اور حکومت حاصل کرنا چاہے تو اب وہ واجب القتل ہے۔ اسی طرح جو لوگ بھی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے منکر ہو کر خود حاکمیت کے مدعی ہو گئے اگرچہ وہ واجب القتل ہیں' لیکن دنیا میں انہیں مہلت دی گئی ہے۔ اس لیے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ

انہیں فوراً ختم نہیں کرتا۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ﴾ (الشوریٰ: ۱۴) ''اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی ایک وقتِ معین تک تمہارے ربّ کی طرف سے تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا جاتا''۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک وقت معین تک کے لیے مہلت دی ہے لہٰذا انہیں فوری طور پر ختم نہیں کیا جاتا' لیکن کم از کم اتنی سزا ضرور ملتی ہے کہ اب وہ خلافت کے حق سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ گویا کہ اب دنیا میں خلافت صرف خلافت المسلمین ہوگی۔ صرف وہ شخص جو اللہ کو اپنا حاکمِ مطلق مانے' وہی خلافت کا اہل ہے۔ تو یہ چند باتیں خلافت کی اصل حقیقت کے ضمن میں یہیں پر سمجھ لیجیے۔ ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ﴾ ''اور یاد کرو جب تمہارے ربّ نے کہا تھا فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں''۔ ﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا؟'' ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ﴾ ''اور ہم آپ کی حمد وثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس میں لگے ہوئے ہیں۔'' ﴿قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''فرمایا میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔''

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو انسان کے بارے میں یہ گمان یا یہ خیال کیسے ہوا؟ اس کے ضمن میں دو رائیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان کی تخلیق سے پہلے اس زمین پر جنات موجود تھے اور انہیں بھی اللہ نے کچھ تھوڑا سا اختیار دیا تھا اور انہوں نے یہاں فساد برپا کر رکھا تھا۔ ان ہی پر قیاس کرتے ہوئے فرشتوں نے سمجھا کہ انسان بھی زمین میں فساد مچائے گا اور خون ریزی کرے گا۔ ایک دوسری اُصولی بات یہ کہی گئی ہے کہ جب خلافت کا لفظ استعمال ہوا تو فرشتے سمجھ گئے کہ انسان کو زمین میں کوئی نہ کوئی اختیار بھی ملے گا۔ جنات کے بارے میں خلافت کا لفظ کہیں نہیں آیا' یہ صرف انسان کے بارے میں آ رہا ہے۔ اور خلیفہ بالکل بے اختیار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا جہاں واضح حکم ہے اس کا کام اس کی تنفیذ ہے اور جہاں نہیں ہے وہاں اپنے غور وفکر اور سوچ بچار کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے بہتر سے بہتر رائے قائم کرنا ہوتی ہے۔ ظاہر بات ہے جہاں اختیار ہوگا وہاں اس کے صحیح استعمال کا بھی امکان ہے اور غلط کا بھی۔ پولیٹیکل سائنس کا تو یہ مسلّمہ اصول (axiom) ہے کہ:

"Authority tends to corrupt and absolute authority corrupts absolutely."

چنانچہ اختیار کے اندر بدعنوانی کا رجحان موجود ہے۔ اس بنا پر انہوں نے قیاس کیا کہ انسان کو زمین میں اختیار ملے گا تو یہاں فساد ہوگا' خون ریزی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی حکمتوں سے میں خود واقف ہوں۔ میں انسان کو خلیفہ کیوں بنا رہا ہوں' یہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

آیت ۳۱ ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ ''اور اللہ نے سکھا دیے آدمؑ کو تمام کے تمام نام''

مفسرین کا تقریباً اجماع ہے کہ اس سے مراد تمام اشیاء کے نام ہیں اور تمام اشیاء کے ناموں سے مراد اُن کی حقیقت کا علم ہے۔ آپ انسانی علم (Human Knowledge) کا تجزیہ کریں تو وہ یہی ہے کہ انسان ایک چیز کو پہچانتا ہے' پھر اس کا ایک نام رکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی اصطلاح (term) قائم کرتا ہے۔ وہ اُس نام اور اُس اصطلاح کے حوالے سے اُس چیز کے بارے میں بہت سے حقائق کو اپنے ذہن میں محفوظ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام نام سکھا دیے۔ گویا کل مادّی کائنات کے اندر جو کچھ وجود میں آنے والا تھا' ان سب کی حقیقت سے حضرت آدم علیہ السلام کو امکانی طور پر (potentially) آگاہ کر دیا۔ یہ انسان کا اکتسابی علم (Acquired Knowledge) ہے جو اسے سمع و بصر اور عقل و دماغ سے حاصل ہوتا ہے۔

انسان کو حاصل ہونے والے علم کے دو حصے ہیں۔ ایک الہامی علم (Revealed Knowledge) ہے جو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے سے بھیجتا ہے' جبکہ ایک علم بالحواس یا اکتسابی علم (Acquired Knowledge) ہے جو انسان خود حاصل کرتا ہے۔ اُس نے آنکھوں سے دیکھا' کانوں سے سنا' نتیجہ نکالا اور دماغ کے کمپیوٹر نے اُس کو پراسیس کر کے اُس نتیجے کو کہیں حافظے (memory) کے اندر محفوظ کر لیا۔ پھر کچھ اور دیکھا' کچھ اور سنا' کچھ چھو کر' کچھ چکھ کر' کچھ سونگھ کر معلوم ہوا اور کچھ اور نتیجہ نکالا تو اسے سابقہ یادداشت کے ساتھ tally کر کے نتیجہ نکالا۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ (بنی اسراء یل) انسان کو یہ اکتسابی علم (Acquired Knowledge) تین چیزوں سے حاصل ہو رہا ہے: سماعت' بصارت اور عقل۔ عقل اُس تمام sense data کو جو اسے مہیا ہوتا ہے' حواس (sense organs) کے ذریعے

سے پراسیس کرتی ہے اور فائدہ اخذ کرتی ہے۔ یہ علم ہے جو بالقوۃ (Potentially) حضرت آدم علیہ السلام کو دے دیا گیا۔ اب اس کی exfoliation ہو رہی ہے اور درجہ بدرجہ وہ علم پھیل رہا ہے' بڑھ رہا ہے۔ بڑھتے بڑھتے یہ کہاں تک پہنچے گا' ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ انسان کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے! اس نصف صدی میں علمِ انسانی میں جو explosion ہوا ہے میں اور آپ اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ اکثر بڑے بڑے سائنس دانوں کو بھی اس کا ادراک و شعور نہیں ہے کہ انسانی علم نے کتنی بڑی زقند لگائی ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص اپنی لائن کے بارے میں تو جانتا ہے کہ اس میں کیا کچھ ہو گیا۔ مثلاً ایک سائنس دان صرف فزکس یا اس کی بھی کسی شاخ کے بارے میں جانتا ہے' باقی دوسری شاخوں کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ یہ دَور سپشلائزیشن کا دَور ہے' لہٰذا علم کے میدان میں جو بڑا دھماکہ (explosion) ہوا ہے اس کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ ایک چیز جو آج ایجاد ہوتی ہے چند دنوں کے اندر اندر اُس کا نیا version آ جاتا ہے اور یہ چیز متروک (outdated) ہو جاتی ہے۔ ابلاغ اور مواصلات (communications) کے اندر انقلابِ عظیم برپا ہوا ہے۔ آپ یہ سمجھئے کہ اقبال نے جو یہ شعر کبھی کہا تھا' اس کی تعبیر قریب سے قریب تر آ رہی ہے ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے!

اور یہ ''مہ کامل'' اُس وقت بنے گا جب دجال کی شکل اختیار کرے گا۔ دجال وہ شخص ہو گا جو ان تمام قواعدِ طبیعیہ (Physical Laws) کے اوپر قابو پا لے گا۔ جب چاہے گا' جہاں چاہے گا بارش برسائے گا۔ وہ رزق کے تمام خزانے اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور اعلان کر دے گا کہ جو اُس پر ایمان لائے گا اُسی کو رزق ملے گا' کسی اور کو نہیں ملے گا۔ اُس کی آواز پوری دنیا میں سنائی دے گی۔ وہ چند دنوں کے اندر پوری دنیا کا چکر لگا لے گا۔ یہ ساری باتیں حدیث میں دجال کے بارے میں آئی ہیں۔ وہ آدم کے اس اکتسابی علم (Acquired Knowledge) کی اس حد کو پہنچ جائے گا کہ فطرت کے تمام اسرار (mysteries) اس پر منکشف ہو جائیں اور اسے قواعد طبیعیہ پر تصرف حاصل ہو جائے' وہ انہیں harness کر لے' قابو میں لے آئے اور انہیں استعمال کرے۔

انسان نے جو سب سے پہلا ذریعۂ توانائی (source of energy) دریافت کیا

وہ آگ تھا۔ آج سے ہزاروں سال پہلے ہمارے کسی جد امجد نے دیکھا کہ کوئی چٹان اوپر سے گری' پتھر سے پتھر ٹکرایا تو اس میں سے آگ کا شعلہ نکلا۔ اُس کا یہ مشاہدہ آگ پیدا کرنے کے لیے کافی ہو گیا کہ پتھروں کو آپس میں ٹکراؤ اور آگ پیدا کر لو۔ چنانچہ آگ اُس دَور کی سب سے بڑی ایجاد اور اوّلین ذریعۂ توانائی تھی۔ اب وہ توانائی (energy) کہاں سے کہاں پہنچی! پہلے اُس آگ نے بھاپ کی شکل اختیار کی' پھر ہم نے بجلی ایجاد کی اور اب ایٹمی توانائی (Atomic Energy) حاصل کر لی ہے اور ابھی نمعلوم اور کیا کیا حاصل ہونا ہے۔ واللہ اعلم! ان تمام چیزوں کا تعلق خلافت ارضی کے ساتھ ہے۔ لہٰذا فرشتوں کو بتایا گیا کہ آدم کو صرف اختیار ہی نہیں' علم بھی دیا جا رہا ہے۔

﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ﴾ ''پھر اُن (تمام اشیاء) کو پیش کیا فرشتوں کے سامنے''

﴿ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''اور فرمایا کہ بتاؤ مجھے ان چیزوں کے نام اگر تم سچے ہو۔'' اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے زمین کا انتظام بگڑ جائے گا۔

آیت ۳۲ ﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ﴾ ''انہوں نے کہا (پروردگار!) نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے'' آپ ہر نقص سے' ہر عیب سے' ہر ضعف سے' ہر احتیاج سے مبرّا اور منزّہ ہیں' اعلیٰ اور ارفع ہیں۔

﴿ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ﴾ ''ہمیں کوئی علم حاصل نہیں سوائے اُس کے جو آپ نے ہمیں سکھا دیا ہے۔''

اس کی یہی تعبیر بہتر معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کائناتی حکومت میں ملائکہ کی حیثیت درحقیقت اس کے کارندوں (یا civil servants) کی ہے۔ چنانچہ ہر ایک کو صرف اس کے شعبے کے مطابق علم دیا گیا ہے' ان کا علم جامع نہیں ہے اور ان کے پاس تمام چیزوں کا مجموعی علم حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہے۔ مثلاً کوئی فرشتہ بارش کے انتظام پر مأمور ہے' کوئی پہاڑوں پر مأمور ہے' جس کا ذکر سیرت میں آتا ہے کہ جب طائف میں رسول اللہ ﷺ پر پتھراؤ ہوا تو اس کے بعد ایک فرشتہ حاضر ہوا کہ میں مَلَکُ الجبال ہوں' اللہ نے مجھے پہاڑوں پر مأمور کیا ہوا ہے' اگر آپ فرمائیں تو میں اِن دو پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دوں جن کے درمیان طائف کی یہ وادی واقع ہے اور اس طرح اہل طائف پس کر سرمہ بن

جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔ تو فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف خدمات پر مأمور ہیں اور ان کو جو علم دیا گیا ہے وہ صرف اُن کے اپنے فرائض منصبی اور اُن کے اپنے اپنے شعبے سے متعلق دیا گیا ہے' جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی جامعیت بالقوۃ (potentially) دے دی گئی' جو بڑھتے بڑھتے اب ایک بہت تناور درخت بن چکا ہے۔

﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''یقیناً آپ ہی ہیں جو سب کچھ جاننے والے کامل حکمت والے ہیں۔'' آپ ہی کی ذات ہے جو کل کے کل علم کی مالک ہے اور جس کی حکمت بھی کامل ہے۔ باقی تو مخلوق میں سے ہر ایک کا علم ناقص ہے۔

آیت ۳۳ ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ اے آدم' ان کو بتاؤ ان چیزوں کے نام!''

﴿فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ﴾ ''تو جب اُس نے بتا دیے ان کو اُن سب کے نام''

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ﴾ ''تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی چیزوں کو'' جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل اور مخفی ہیں۔

﴿وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ ''اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کر رہے تھے اور جو کچھ تم چھپا رہے تھے۔''

ان الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ فرشتوں کی خواہش یہ تھی کہ خلافت ہمیں ملے' ہم خدام ادب ہیں' ہر وقت تسبیح و تحمید اور تقدیس میں مصروف ہیں' جو حکم ملتا ہے بجا لاتے ہیں' تو یہ خلافت کسی اور مخلوق کو کیوں دی جا رہی ہے۔

اب آگے چونکہ تیسری مخلوق کا ذکر بھی آئے گا لہٰذا یہاں نوٹ کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی تین مخلوقات ایسی ہیں جو صاحب تشخص اور صاحب شعور ہیں اور جن میں ''انا'' (میں) کا شعور ہے۔ ایک ملائکہ ہیں' ان کی تخلیق نور سے ہوئی ہے۔ دوسرے انسان ہیں' جن کی تخلیق گارے سے ہوئی ہے اور تیسرے جنات ہیں' جن کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے۔ باقی حیوانات ہیں' اُن میں شعور (consciousness) تو ہے' خود شعوری (self consciousness) نہیں ہے۔ انسان جب دیکھتا ہے تو اس کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں' جبکہ کتا یا بلا دیکھتا ہے تو اسے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔

حیوانات میں ''میں'' کا شعور نہیں ہے۔ یہ ''انا'' ''Self'' یا ''Ego'' صرف فرشتوں میں' انسان میں اور جنات میں ہے۔ ان میں سے ایک نوری مخلوق ہے' ایک ناری مخلوق ہے اور ایک خاکی ہے' جو زمین کے اس قشر (crust) میں مٹی اور پانی کے ملغوبے یعنی گارے سے وجود میں آئی ہے۔

آیت ۳۴ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ﴾ ''اور یاد کرو جب ہم نے کہا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے۔''

یہاں ایک بات تو یہ سمجھئے کہ آدمؑ کو تمام ملائکہ کے سجدے کی ضرورت کیا تھی؟ کیا یہ صرف تعظیماً تھا؟ اور اگر تعظیماً تھا تو کیا آدم خاکی کی تعظیم مقصود تھی یا کسی اور شے کی تعظیم تھی؟ مکی سورتوں میں یہ بات دو جگہ بایں الفاظ واضح کی گئی ہے: ﴿فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴾ (الحجر:۲۹ و صٓ:۷۲) ''پھر جب میں اس (آدم) کی تخلیق مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تب گر پڑنا اُس کے سامنے سجدے میں۔'' چنانچہ تعظیم اگر ہے تو آدم خاکی کی نہیں ہے' اس کے اندر موجود ''روحِ ربانی'' کی ہے' جو ایک Divine Element یا Divine Spark ہے' جسے خود خالق نے ''مِنْ رُّوْحِيْ'' سے تعبیر فرمایا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس سجدے کی حکمت کیا ہے؟ اس کی علت اور غرض و غایت کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس کائنات یعنی اس آفاقی حکومت کے کارندے تو فرشتے ہیں اور خلیفہ بنایا جا رہا ہے انسان کو۔ لہٰذا جب تک یہ ساری سول سروس اس کے تابع نہ ہو وہ خلافت کیسے کرے گا! جب ہم کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں اور کوئی فعل کرنا چاہتے ہیں تو اس فعل کے پورا ہونے میں' اُس کے ظہور پذیر ہونے میں نمعلوم کون کون سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور فطرت کی کون کون سی قوتیں (forces) ہمارے ساتھ موافقت کرتی ہیں تو ہم وہ کام کر سکتے ہیں' اور ان سب پر فرشتے مأمور ہیں۔ ہر ایک کی اپنی اقلیم (domain) ہے۔ اگر وہ انسان کے تابع نہ ہوں تو خلافت کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ اسے خلافت دی گئی ہے' یہ جدھر جانا چاہتا ہے جانے دو' یہ نماز کے لیے مسجد میں جانا چاہتا ہے جانے دو' یہ چوری کے لیے نکلا ہے نکلنے دو۔ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس کے استعمال میں یہ تمام قوتیں اس کے ساتھ موافقت کرتی ہیں تب ہی اُس کا کوئی ارادہ' خواہ اچھا ہو یا برا' پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے۔ اس

موافقت کی علامت کے طور پر تمام فرشتوں کو انسان کے آگے جھکا دیا گیا۔

اس آیت میں ''اِلَّآ اِبْلِیْسَ'' (سوائے ابلیس کے) سے یہ مغالطہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید ابلیس بھی فرشتہ تھا۔ اس لیے کہ سجدے کا حکم تو فرشتوں کو دیا گیا تھا۔ اس مغالطے کا ازالہ سورۃ الکہف میں کر دیا گیا جو سورۃ البقرۃ سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔ وہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ﴾ (آیت ۵۰) ''وہ جنوں میں سے تھا' پس اس نے سرکشی کی اپنے ربّ کے حکم سے۔'' فرشتوں میں سے ہوتا تو نافرمانی کر ہی نہ سکتا۔ فرشتوں کی شان تو یہ ہے کہ وہ اللہ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (التحریم) ''وہ اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔'' جنات بھی انسانوں کی طرح ایک ذی اختیار مخلوق ہے جسے ایمان و کفر اور طاعت و معصیت دونوں کی قدرت بخشی گئی ہے۔ چنانچہ جنات میں نیک بھی ہیں بد بھی ہیں' اعلیٰ بھی ہیں ادنیٰ بھی ہیں' جیسے انسانوں میں ہیں۔ لیکن یہ ''عزازیل'' جو جن تھا' علم اور عبادت دونوں کے اعتبار سے بہت بلند ہو گیا تھا اور فرشتوں کا ہم نشین تھا۔ یہ فرشتوں کے ساتھ اس طور پر شامل تھا جیسے بہت سے انسان بھی اگر اپنی بندگی میں' زہد میں' نیکی میں ترقی کریں تو اُن کا عالم ارواح کے ساتھ' عالمِ ملائکہ کے ساتھ اور ملأ اعلیٰ کے ساتھ ایک رابطہ قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح عزازیل بھی جن ہونے کے باوجود اپنی نیکی' عبادت' پارسائی اور اپنے علم میں فرشتوں سے بہت آگے تھا' اس لیے ''مُعَلِّمُ الْمَلَکوت'' کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور اسے اپنی اس حیثیت کا بڑا زعم تھا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا' قرآن حکیم میں قصۂ آدم و ابلیس کے ضمن میں یہ بات سات مرتبہ آئی ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو' سب جھک گئے مگر ابلیس نے سجدے سے انکار کر دیا۔ آیات زیر مطالعہ میں قصہ آدم و ابلیس ساتویں مرتبہ آ رہا ہے۔ اگرچہ مصحف میں یہ پہلی مرتبہ آ رہا ہے لیکن ترتیب نزولی کے اعتبار سے یہاں ساتویں مرتبہ آ رہا ہے۔ آدمؑ و ابلیس کا یہ قصہ سورۃ البقرۃ کے بعد سورۃ الاعراف میں' پھر سورۃ الحجر میں' پھر سورۂ بنی اسرائیل میں' پھر سورۃ الکہف میں' پھر سورۃ طٰہٰ میں اور پھر سورۃ صٓ میں آئے گا۔ یعنی یہ قصہ قرآن حکیم میں چھ مرتبہ مکی سورتوں میں آیا ہے اور ایک مرتبہ مدنی سورت سورۃ البقرۃ میں۔

ابلیس کا اصل نام ''عزازیل'' تھا' ابلیس اب اس کا صفاتی نام ہے۔ اس لیے کہ اَبْلَسَ' یُبْلِسُ کے معنی ہوتے ہیں مایوس ہو جانا۔ یہ اللہ کی رحمت سے بالکل مایوس ہے اور جو

اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے وہ شیطان ہو جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اب میرا تو چھٹکارا نہیں ہے' میری تو عاقبت خراب ہو ہی چکی ہے' لہٰذا میں اپنے ساتھ اور جتنوں کو برباد کر سکتا ہوں کرلوں۔ ع ''ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے!'' اب وہ شیطان اس معنی میں ہے کہ انسان کی عداوت اس کی گھٹی میں پڑ گئی۔ اُس نے اللہ سے اجازت بھی لے لی کہ مجھے مہلت دے دے قیامت کے دن تک کے لیے ﴿اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ تو میں ثابت کر دوں گا کہ یہ آدم اُس رتبے کا حق دار نہ تھا جو اسے دیا گیا۔

﴿اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ ۫﴾ ''اُس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔''

قرآن حکیم میں دوسرے مقامات پر اس کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝﴾ (الاعراف:۱۲ و صٓ:۷۶) ''میں اس سے بہتر ہوں' تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے گارے سے بنایا'' درحقیقت یہی وہ تکبر ہے جس نے اسے راندۂ درگاہِ حق کر دیا ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد کہ در طوقِ لعنت گرفتار کرد

﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝﴾ ''اور ہو گیا وہ کافروں میں سے۔'' یا ''اور تھا وہ کافروں میں سے۔''

کَانَ عربی زبان میں دو طرح کا ہوتا ہے: ''تامہ'' اور ''ناقصہ''۔ کَانَ ناقصہ کے اعتبار سے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ اپنے اس استکبار اور انکار کی وجہ سے وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ جبکہ کَانَ تامہ کے اعتبار سے یہ معنی ہوں گے کہ وہ تھا ہی کافروں میں سے۔ یعنی اس کے اندر سرکشی چھپی ہوئی تھی' اب ظاہر ہو گئی۔ ایسا معاملہ کبھی ہمارے مشاہدے میں بھی آتا ہے کہ کسی شخص کی بدنیتی پر نیکی اور زہد کے پردے پڑے رہتے ہیں اور کسی خاص وقت میں آ کر وہ ننگا ہو جاتا ہے اور اس کی باطنی حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ''اور ہم نے کہا اے آدم! رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جنت کون سی ہے؟ اکثر حضرات کے نزدیک یہ جنت کہیں آسمان ہی میں تھی اور آسمان ہی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ البتہ یہ سب مانتے ہیں کہ یہ وہ جنت الفردوس نہیں تھی جس میں جانے کے بعد نکلنے کا کوئی سوال نہیں۔ اس جنت میں تو آخرت میں لوگوں کو جا کر داخل ہونا ہے اور اس میں داخلے کے بعد پھر وہاں سے نکلنے کا

کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے اور میرا رجحان اسی رائے کی طرف ہے کہ تخلیق آدمؑ اسی زمین پر ہوئی ہے۔ وہ تخلیق جن مراحل سے گزری وہ اِس وقت ہمارا موضوعِ بحث نہیں ہے۔ بائیولوجی اور وحی دونوں اس پر متفق ہیں کہ قشر ارض (Crust of the Earth) یعنی مٹی سے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ اس کے بعد کسی اونچے مقام پر کسی سرسبز و شاداب علاقے میں حضرتِ آدمؑ کو رکھا گیا' جہاں ہر قسم کے میوے تھے' ہر شے بافراغت میسر تھی۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝﴾ (طٰہٰ) ''یہاں تمہارے لیے یہ آسائشیں موجود ہیں کہ نہ تمہیں اس میں بھوک لگے گی نہ عریانی لاحق ہوگی۔ اور یہ کہ نہ تمہیں اس میں پیاس تنگ کرے گی نہ دھوپ ستائے گی۔'' حضرت آدمؑ اور ان کی بیوی کو وہاں ہر طرح کی آسائشیں حاصل تھیں۔ البتہ یہ جنت صرف ایک demonstration کے لیے تھی کہ انہیں نظر آ جائے کہ شیطان ان کا اور اُن کی اولاد کا ازلی دشمن ہے' وہ انہیں ورغلائے گا اور طرح طرح سے وسوسہ اندازی کرے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی شخص کا انتخاب تو ہو گیا اور وہ CSP cadre میں آ گیا' لیکن اس کی تعیناتی (posting) سے پہلے اسے سول سروس اکیڈمی میں زیرِ تربیت رکھا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں جو لفظ ھبوط (اُترنا) آ رہا ہے وہ صرف اسی ایک معنی میں نہیں آتا' اس کے دوسرے معانی بھی ہیں۔ یہ چیزیں پھر متشابہات میں سے رہیں گی۔ اس لیے ان کے بارے میں غور و فکر سے کوئی ایک یا دوسری رائے اختیار کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم!

﴿وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪﴾ ''اور کھاؤ اس میں سے بافراغت جہاں سے چاہو۔'' یہاں ہر طرح کے پھل موجود ہیں' جو چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ۔

﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ''مگر اس درخت کے قریب مت جانا۔'' یہاں پر اس درخت کا نام نہیں لیا گیا' اشارہ کر دیا گیا کہ اس درخت کے قریب بھی مت جانا۔

﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ''ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔'' تم حد سے گزرنے والوں میں شمار ہو گے۔

اب اس کی بھی حکمت سمجھئے کہ یہ اس demonstration کا حصہ ہے کہ دنیا میں کھانے پینے کی ہزاروں چیزیں مباح ہیں' صرف چند چیزیں حرام ہیں۔ اب اگر تم ہزاروں مباح چیزوں کو چھوڑ کر حرام میں منہ مارتے ہو تو یہ نافرمانی شمار ہوگی۔ اللہ نے مباحات کا دائرہ بہت وسیع رکھا ہے۔ چند رشتے ہیں جو بیان کر دیے گئے کہ یہ حرام ہیں' محرماتِ ابدیہ ہیں' ان

سے تو شادی نہیں ہو سکتی' باقی ایک مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے دنیا کے کسی بھی کونے میں شادی کر سکتا ہے' اس کے لیے کروڑوں options کھلے ہیں۔ پھر ایک نہیں' دو دو' تین تین' چار چار تک عورتوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود انسان شادی نہ کرے اور زنا کرے' تو یہ گویا اس کی اپنی خباثتِ نفس ہے۔ چنانچہ آدم وحوا (علیہما السلام) کو بتا دیا گیا کہ یہ پورا باغ تمہارے لیے مباح ہے' بس یہ ایک درخت ہے' اس کے پاس نہ جانا۔ درخت کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو صرف ایک آزمائش اور اس کی demonstration تھی۔

آیت ۳۶ ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ ''پھر پھسلا دیا اُن دونوں کو شیطان نے اُس درخت کے بارے میں''

اس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ میں آئی ہے کہ شیطان نے انہیں کس کس طریقے سے پھسلایا اور انہیں اس درخت کا پھل چکھنے پر آمادہ کیا۔

﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠﴾ ''تو نکلوا دیا ان دونوں کو اُس کیفیت میں سے جس میں وہ تھے۔''

وہ کیا کیفیت تھی کہ نہ کوئی مشقت ہے' نہ کوئی محنت ہے اور انسان کو ہر طرح کا اچھے سے اچھا پھل مل رہا ہے' تمام ضروریات فراہم ہیں اور خاص خلعتِ فاخرہ سے بھی نوازا گیا ہے' جنت کا خاص لباس عطا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کیفیات سے نکال کر انہیں کہا گیا کہ اچھا اب جاؤ اور زندگی کے تلخ حقائق کا سامنا کرو۔ یاد رکھنا کہ شیطان تمہارا اور تمہاری نسل کا دشمن ہے اور وہ تمہیں پھسلائے گا جیسے آج پھسلایا ہے' تم اس کی شرارتوں سے ہوشیار رہنا۔ ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ﴾ (فاطر:٦) ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے' اس لیے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔'' لیکن اگر کچھ لوگ اسے اپنا دوست بنا لیں اور اس کے ایجنٹ اور کارندے بن جائیں تو یہ اُن کا اختیار ہے جس کی سزا انہیں ملے گی۔

﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ''اور ہم نے کہا تم سب اترو' تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔''

نوٹ کیجیے یہاں جمع کا صیغہ آیا ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔ تو ایک دشمنی تو شیطان اور آدم اور ذریتِ آدم کی ہے' جبکہ ایک اور دشمنی انسانوں میں مرد اور عورت کے مابین ہے۔ عورت مرد کو پھسلاتی ہے اور غلط راستے پر ڈالتی ہے اور مرد عورتوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ

عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾ (التغابن:١٤) ''اے اہل ایمان! یقیناً تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں تمہارے دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہو۔'' کہیں ان کی محبت تمہیں راہِ حق سے منحرف نہ کر دے۔ شوہر ایک اچھا کام کرنا چاہتا ہے لیکن بیوی رکاوٹ بن گئی یا بیوی کوئی اچھا کام کرنا چاہتی ہے اور شوہر رکاوٹ بن گیا تو یہ محبت نہیں عداوت ہے۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ ''اور تمہارے لیے اب زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک خاص وقت تک۔''

اب زمین تمہاری جائے قیام ہے اور یہاں ضرورت کی تمام چیزیں ہم نے فراہم کر دی ہیں' لیکن یہ ایک وقتِ معین تک کے لیے ہے' یہ ابدی نہیں ہے' ایک وقت آئے گا کہ ہم یہ بساط لپیٹ دیں گے۔ ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ (الانبیاء:١٠٤) ''جس دن کہ ہم تمام آسمانوں کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے اوراق کا طومار لپیٹ لیا جاتا ہے۔'' یہ تخلیق ابدی نہیں ہے' ''اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى'' ہے' ''اِلٰى حِيْنٍ'' ہے۔

آیت ٣٧ ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ﴾ ''پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے ربّ سے چند کلمات' تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔''

اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں ہے۔ جب حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کا حکمِ عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آ گئے تو سخت پشیمانی اور ندامت پیدا ہوئی کہ یہ میں نے کیا کیا' مجھ سے کیسی خطا سرزد ہو گئی کہ میں نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کر ڈالی۔ لیکن ان کے پاس توبہ و استغفار کے لیے الفاظ نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کن الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں۔ اللہ کی رحمت یہ ہوئی کہ اُس نے الفاظ انہیں خود تلقین فرما دیے۔ یہ اللہ کی شانِ رحیمی ہے۔ توبہ کی اصل حقیقت انسان کے اندر گناہ پر ندامت کا پیدا ہو جانا ہے۔ اقبال نے عنفوانِ شباب میں جو اشعار کہے تھے ان میں سے ایک شعر کو سن کر اُس وقت کے اساتذہ بھی پھڑک اُٹھے تھے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

یعنی شرمندگی کے باعث میری پیشانی پر پسینے کے جو قطرے نمودار ہو گئے میرے پروردگار کو وہ اتنے عزیز ہوئے کہ اُس نے انہیں موتیوں کی طرح چن لیا۔ حضرات آدم و حوا علیہما السلام کو جب اپنی غلطی پر ندامت ہوئی تو وہ گریہ وزاری میں مشغول ہو گئے۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے

اپنی رحمت سے انہیں چند کلمات القاء فرمائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ وہ کلمات سورۃ الاعراف میں بیان ہوئے ہیں: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے' اور اگر تو نے ہمیں بخش نہ دیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں ہو جائیں گے۔'' تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

اس مقام پر شیطنت اور آدمیت کا فوری تقابل موجود ہے۔ غلطی ابلیس سے بھی ہوئی' اللہ کے حکم سے سرتابی ہوئی' لیکن اُسے اس پر ندامت نہیں ہوئی بلکہ وہ تکبر کی بنا پر مزید اکڑ گیا کہ ''اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ'' اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا۔ دوسری طرف غلطی آدم سے بھی ہوئی' نافرمانی ہوئی' لیکن وہ اس پر پشیمان ہوئے اور توبہ کی۔ وہ طرزِ عمل شیطنت ہے اور یہ آدمیت ہے۔ ورنہ کوئی انسان گناہ سے اور معصیت سے مبرا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے:

((كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ)) (۱)

''آدمؑ کی تمام اولاد خطا کار ہے' اور اِن خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کر لیں''۔

حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی ہوئی۔ انہیں اس پر ندامت ہوئی' انہوں نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ ''یقیناً وہی تو ہے توبہ کا بہت قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا۔''

توبہ کا لفظ دونوں طرف سے آتا ہے۔ بندہ بھی توّاب ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (البقرۃ) جبکہ توّاب اللہ تعالیٰ بھی ہے۔ اس کی اصل حقیقت سمجھ لیجیے۔ بندے نے خطا کی اور اللہ سے دور ہو گیا تو اللہ نے اپنی رحمت کی نگاہ اُس سے پھیر لی۔ بندے نے توبہ کی تو اللہ پھر اپنی رحمت کے ساتھ اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ توبہ کے معنی ہیں پلٹنا۔ بندہ معصیت سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کی طرف' بندگی کی طرف' اطاعت کی طرف پلٹ آیا' اور اللہ نے جو اپنی نظرِ رحمت بندے سے پھیر لی تھی' پھر اپنی

(۱) سنن ابن ماجه' كتاب الزهد۔ وسنن الترمذی' كتاب صفة القيامة والرقائق والورع۔ (الفاظ ابن ماجہ کے ہیں)

شانِ غفاری اور رحیمی کے ساتھ بندے کی طرف توجہ فرمائی۔ اس کے لیے حدیث میں الفاظ آتے ہیں:

((..... وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً)) (۱)

''.....اور اگر وہ (میرا بندہ) بالشت بھر میری طرف آتا ہے تو میں ہاتھ بھر اُس کی طرف آتا ہوں' اور اگر وہ ہاتھ بھر میری طرف آتا ہے تو میں دو ہاتھ اُس کی طرف آتا ہوں' اور اگر وہ چل کر میری طرف آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف آتا ہوں۔''

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے راہ رَوِ منزل ہی نہیں!

وہ تو توّاب ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ ''تَابَ'' بندے کے لیے آئے گا تو ''اِلٰی'' کے صلہ کے ساتھ آئے گا۔ جیسے ﴿اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ﴾ اور جب اللہ کے لیے آئے گا تو ''عَلٰی'' کے صلہ کے ساتھ ''تَابَ عَلٰی'' آئے گا' جیسے آیت زیر مطالعہ میں آیا: ﴿فَتَابَ عَلَیْهِ﴾۔ اللہ کی شان بہت بلند ہے۔ انسان توبہ کرتا ہے تو اُس کی طرف توبہ کرتا ہے' جبکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ بندے پر توبہ کرتا ہے۔

آیت ۳۸ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا﴾ ''ہم نے کہا: تم سب کے سب یہاں سے جاؤ۔''

اب یہاں لفظ ''اِهْبِطُوْا'' آیا ہے جو اِس سے پہلے بھی آیا ہے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ تخلیق آدمؑ آسمانوں پر ہوئی ہے اور وہ جنت بھی آسمانوں پر ہی تھی جہاں حضرت آدمؑ آزمائش یا تربیت کے لیے رکھے گئے تھے وہ ''اِهْبِطُوْا'' کا ترجمہ کریں گے کہ انہیں آسمان سے زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو زمین پر ہی کسی بلند مقام پر رکھا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ ''اِهْبِطُوْا'' سے مراد بلند جگہ سے نیچے اترنا ہے نہ کہ آسمان سے زمین پر اترنا۔ وہ آزمائشی جنت کسی اونچی سطح مرتفع پر تھی۔ وہاں پر حکم دیا گیا کہ نیچے اترو اور جاؤ' اب تمہیں زمین میں ہل چلانا پڑے گا اور روٹی حاصل کرنے کے لیے محنت کرنا پڑے گی۔ یہ نعمتوں کے دسترخوان جو یہاں بچھے ہوئے تھے اب تمہارے لیے نہیں ہیں۔ اس معنی

(۱) صحیح البخاری' کتاب التوحید۔ وصحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار۔

میں اس لفظ کا استعمال اسی سورۃ البقرۃ کے ساتویں رکوع میں ہوا ہے: ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ﴾ (آیت ۶۱)

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔''

یہ ہے علمِ انسانی کا دوسرا گوشہ' یعنی علم بالوحی (Revealed Knowledge)۔ اس چوتھے رکوع کا حسن ملاحظہ کیجیے کہ اس کے شروع میں علم بالحواس یا اکتسابی علم (Acquired Knowledge) کا ذکر ہے جو بالقوۃ (potentially) حضرت آدمؑ میں رکھ دیا گیا اور جسے انسان نے پھر اپنی محنت سے' اپنے حواس اور عقل کے ذریعے سے آگے بڑھایا۔ یہ علم مسلسل ترقی پذیر ہے اور آج مغربی اقوام اس میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ کبھی ایک زمانے میں مسلمان بہت آگے نکل گئے تھے' لیکن ظاہر ہے کہ اس دنیا میں عروج تو انہی کو ہوگا جنہیں سب سے زیادہ اس کی آگہی حاصل ہوگی۔ البتہ وہ علم جو آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ عطائی (given) ہے' جو وحی پر مبنی ہے۔ اور انسان کے مقامِ خلافت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو احکام اس کے پاس آئیں' وہ جو ہدایات بھی بھیجے ان کی پورے پورے طور پر پیروی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور جو کفر کریں گے'' ہماری اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کریں گے' ناشکری کریں گے۔

﴿وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ﴾ ''اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے''

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہ آگ والے (جہنمی) ہوں گے' اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔''

یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کو ابدی منشور (charter) عطا کر دیا گیا جب زمین پر خلیفہ کی حیثیت سے انسان کا تقرر کیا گیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' سورۃ البقرۃ کے یہ ابتدائی چار رکوع قرآن کی دعوت اور قرآن کے بنیادی فلسفہ پر مشتمل ہیں' اور ان میں مکی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ آ گیا ہے۔

فہم القرآن

ترجمۂ قرآن مجید

مع صرفی و نحوی تشریح

افادات: حافظ احمد یار مرحوم
ترتیب وتدوین: لطف الرحمٰن خان
نظر ثانی: حافظ محمد زبیر

سورۃ البقرۃ (مسلسل)

آیت ۱۹۶

﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۠ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ﴾

ح ص ر

حَصَرَ (ن) حَصْرًا: تنگی کرنا، گھیرنا۔
حَصِرَ (س) حَصْرًا: تنگی محسوس کرنا۔ گھٹن محسوس کرنا۔ ﴿اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ﴾ (النساء: ۹۰) ''یا وہ لوگ آئیں تمہارے پاس تنگی محسوس کرتے ہوئے اپنے سینوں میں کہ وہ قتال کریں تم سے۔''

اُحْصُرْ (باب نَصَرَ سے فعل امر) : تو گھیر تو قید کر۔ ﴿وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ (التوبۃ:۵) ''اور تم لوگ پکڑو اُن کو اور قید کرو اُن کو۔''

حَصُوْرٌ (فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ) : بہت زیادہ گھیرا ہوا۔ اصطلاحاً عورتوں سے بے رغبتی کرنے والے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا﴾ (آل عمران:۳۹) ''اور سردار اور عورتوں سے بے رغبتی والا اور نبی۔''

حَصِيْرٌ (فَعِيْلٌ کا وزن) : گھیرنے والا۔ اصطلاحاً قید خانے کے لیے آتا ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا﴾ (بنی اسراء یل) ''اور ہم نے بنایا جہنم کو کافروں کے لیے ایک قید خانہ۔''

اَحْصَرَ (افعال) اِحْصَارًا : کسی کو کسی کام سے روک دینا۔ (آیت زیر مطالعہ)

ح ل ق

حَلَقَ (ن) حَلْقًا : گلے پر مارنا' حلق کاٹنا' ذبح کرنا۔

حَلَقَ (ض) حَلْقًا : چھیلنا' بال مونڈنا۔ (آیت زیر مطالعہ)

حَلَّقَ (تفعیل) تَحْلِيْقًا : اچھی طرح مونڈنا۔

مُحَلِّقٌ (اسم الفاعل) : مونڈنے والا۔ ﴿اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ﴾ (الفتح:۲۷) ''امن میں ہوتے ہوئے' مونڈتے ہوئے اپنے سروں کو۔''

ب ل غ

بَلَغَ (ن) بُلُوْغًا : کسی مقصود چیز کی انتہا تک پہنچنا۔ ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹) ''اور وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تاکہ میں خبردار کروں تم لوگوں کو اس قرآن کے ذریعے اور اس کو جس کو یہ پہنچا'' ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ (الاحقاف:۱۵) ''یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی شدت کو اور وہ پہنچا چالیس سال کو۔''

بَالِغٌ (اسم الفاعل) : پہنچنے والا۔ ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ (الانعام:۱۴۹) ''پس اللہ کی ہے پہنچنے والی (یعنی سمجھ میں آنے والی) دلیل۔'' ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ (الطلاق:۳) ''اور جو بھروسہ کرتا ہے اللہ پر تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔ یقیناً اللہ اپنے کام کو پہنچنے والا ہے۔''

مَبْلَغٌ (اسم الظرف) : پہنچنے کی جگہ۔ ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ (النجم:۳۰)

''یہ ان کے پہنچنے کی انتہا ہے علم میں سے۔''

بَلَغَ (ک) بَلَاغَةً: آسانی سے پہنچنا' واضح ہونا' فصیح ہونا۔

بَلِیْغٌ (فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت): واضح' فصیح۔ ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِیْغًا﴾ (النساء) ''اور آپؐ کہیں ان سے ان کے بارے میں کوئی واضح بات۔''

اَبْلَغَ (افعال) اِبْلَاغٌ: پہنچانا۔ ﴿لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ (الجن:۲۸) ''تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے پہنچا دیا ہے اپنے ربّ کے پیغامات کو۔''

بَلَاغٌ (یہ باب افعال کا ایک مصدر بھی ہے اور اسم ذات بھی): پہنچانا' پیغام۔ ﴿مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾ (المائدۃ:۹۹) ''ان رسولؐ پر نہیں ہے مگر پہنچانا۔'' ﴿اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ﴾ (الانبیاء) ''یقیناً اس میں ایک پیغام ہے عبادت گزاروں والی قوم کے لیے۔''

اَبْلِغْ (فعل امر): تو پہنچا۔ ﴿حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ (التوبۃ:۶) ''یہاں تک کہ وہ سنے اللہ کا کلام' پھر اسے پہنچا دو اُس کی امن کی جگہ۔''

بَلَّغَ (تفعیل) تَبْلِیْغًا: آہستہ آہستہ یا رفتہ رفتہ پہنچانا۔ ﴿الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ﴾ (الاحزاب:۳۹) ''وہ لوگ جو آہستہ آہستہ پہنچاتے رہتے ہیں اللہ کے پیغامات۔''

بَلِّغْ (فعل امر): تو آہستہ آہستہ پہنچاتا رہ۔ تبلیغ کرتا رہ۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدۃ:۶۷) ''اے رسولؐ! آپؐ پہنچاتے رہیں اس کو جو نازل کیا گیا آپؐ کی طرف آپؐ کے ربّ کی جانب سے۔''

اذی

اَذٰی (س) اَذًی: تکلیف پہنچانا' دکھ پہنچانا۔

اَذًی (اسم ذات بھی ہے): جسمانی اور نفسیاتی تکلیف' اذیت' کوفت۔ (آیت زیر مطالعہ)

آذٰی (افعال) اِیْذَاءً: تکلیف پہنچانا' اذیت دینا۔ ﴿لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی﴾ (الاحزاب:۶۹) ''تم لوگ مت ہو اُن کی طرح جنہوں نے اذیت دی موسیٰؑ کو۔''

اٰذُوْا (فعل امر): تو تکلیف دے' دکھ دے۔ ﴿وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا﴾ (النساء:۱۶) ''اور وہ دونوں جو پہنچتے ہیں تم میں سے اس تک (یعنی یہ کام کرتے ہیں) تو تم لوگ تکلیف دو ان دونوں کو۔''

ترکیب : ''وَاَتِمُّوا'' فعل امر ہے۔ ''اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ'' اس کا مفعول ہے اور ''لِلّٰهِ'' متعلق فعل ہے۔ ''فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ'' شرط ہے اور ''فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ'' جواب شرط ہے۔ ''فَمَا'' کا ''مَا'' موصولہ ہے۔ ''اِسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ'' اس کا صلہ ہے۔ یہ صلہ موصول مل کر مبتدا ہے جبکہ اس کی خبر اور متعلق خبر ''وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ'' محذوف ہے۔ ''لَا تَحْلِقُوْا'' فعل نہی ہے۔ اس کا فاعل ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''رُءُوْسَكُمْ'' مفعول ہے۔ ''يَبْلُغُ'' فعل لازم ہے۔ ''اَلْهَدْيُ'' فاعل ہے اور اس کا مفعول نہیں آئے گا۔ ''مَحِلَّهٗ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''فَمَنْ كَانَ'' سے ''رَاْسِهٖ'' تک شرط ہے اور ''فَفِدْيَةٌ'' جواب شرط ہے۔ ''مِنْ'' بیانیہ ہے۔ ''صِيَامٍ، صَدَقَةٍ، نُسُكٍ'' فدیہ کی وضاحت کے لیے ہے۔ ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ'' شرط ہے اس کی ضمیر مفعولی ''هُ'' محذوف ہے جو کہ ''اَلْهَدْيَ'' کے لیے ہے۔ ''فَصِيَامُ'' سے ''اِذَا رَجَعْتُمْ'' تک جواب شرط ہے۔ اس کے بعد ''وَاجِبٌ عَلَيْهِ'' محذوف ہے۔ ''تِلْكَ'' مبتدا اور ''عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ'' خبر ہے۔ یہ جملہ تاکید کے لیے ہے۔ ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ اس آیت میں مذکور واجبات کی طرف ہے اور یہ مبتدا ہے۔ اس کی بھی خبر ''وَاجِبٌ'' محذوف ہے جبکہ ''لِمَنْ'' سے ''اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' تک متعلق خبر ہے۔ ''لَمْ يَكُنْ'' کا اسم ''اَهْلُهٗ'' ہے جبکہ ''حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' اس کی خبر ہے۔ ''كَانَ'' کی خبر ہونے کی وجہ سے ''حَاضِرِيْنَ'' نصب میں ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے اس کا نون اعرابی گرا ہوا ہے۔ ''شَدِيْدُ الْعِقَابِ'' مرکب اضافی ہے لیکن اردو محاورہ کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوگا۔ (البقرۃ:۲۔ نوٹ:۳)

ترجمہ:

وَاَتِمُّوا : اور تم لوگ پورا کرو	اَلْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ : حج کو اور عمرے کو
لِلّٰهِ : اللہ کے لیے	فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ : پھر اگر تم لوگ روک دیے جاؤ
فَمَا : تو جو	اسْتَيْسَرَ : آسان ہو
مِنَ الْهَدْيِ : قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے تم پر)	وَلَا تَحْلِقُوْا : اور تم لوگ مت مونڈو
رُءُوْسَكُمْ : اپنے سروں کو	حَتّٰى : یہاں تک کہ
يَبْلُغَ الْهَدْيُ : پہنچے قربانی کا جانور	مَحِلَّهٗ : اپنی منزل پر

فَمَنْ : پھر جو
مِنْكُمْ : تم میں سے
اَوْ بِهٖٓ اَذًى : یا اس کو تکلیف ہو
فَفِدْيَةٌ : تو فدیہ (واجب) ہے
صِيَامٍ : روزہ رکھنا
اَوْ نُسُكٍ : یا کوئی قربانی
اَمِنْتُمْ : تم لوگ امن میں ہو
تَمَتَّعَ : فائدہ اٹھائے
اِلَى الْحَجِّ : حج تک
اسْتَيْسَرَ : آسان ہو

فَمَنْ : پھر جو
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ : تو تین دن کا روزہ رکھنا (واجب) ہے
وَسَبْعَةٍ : اور سات
تِلْكَ : یہ
ذٰلِكَ : یہ
لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ : گھر والے نہیں ہیں
وَاتَّقُوا اللّٰهَ : اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو
اَنَّ اللّٰهَ : کہ اللہ

كَانَ : ہو
مَّرِيْضًا : مریض
مِّنْ رَّاْسِهٖ : اپنے سر سے
مِّنْ : جیسے
اَوْ صَدَقَةٍ : یا کوئی صدقہ
فَاِذَآ : پس جب
فَمَنْ : پھر جو
بِالْعُمْرَةِ : عمرے سے
فَمَا : تو جو
مِنَ الْهَدْيِ : قربانی کے جانور میں سے وہ (واجب ہے اس پر)
لَّمْ يَجِدْ : نہ پائے (اس کو)
فِي الْحَجِّ : حج میں

اِذَا رَجَعْتُمْ : جب تم لوگ لوٹو
عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ : پورے دس ہیں
لِمَنْ : اس کے لیے ہے جس کے
حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ : مسجد حرام کے حاضرین
وَاعْلَمُوْٓا : اور تم لوگ جان لو
شَدِيْدُ الْعِقَابِ : سخت سزا دینے والا ہے

نوٹ (۱) : اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ حج یا عمرہ کرو؛ بلکہ کہا گیا ہے کہ انہیں پورا کرو۔ اس لیے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لینے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مجبوری لاحق ہو جائے تو قربانی کر کے احرام کھول دے۔ لیکن بعد میں اس کی قضا لازمی ہے۔ (معارف القرآن)

نوٹ (۲): قربانی سے پہلے سر مونڈنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کسی بیماری یا مجبوری سے ایسا کرنا پڑ جائے تو فدیہ میں روزے رکھنے ہوں گے یا صدقہ دینا ہوگا یا قربانی کرنی ہو گی۔ اس آیت میں اس کا نصاب نہیں دیا گیا۔ البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی دے۔ (معارف القرآن)

نوٹ (۳): اسلام سے پہلے ایک ہی سفر میں عمرہ اور حج کرنے کو گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے ٹھیک ہے جو مسجدِ حرام کے حاضرین ہیں، یعنی جن کی رہائش حرم کی میقاتوں کے اندر ہے۔ لیکن باہر والوں کے لیے یہ مشکل تھا کہ وہ عمرہ کر کے واپس جائیں اور حج کے لیے دوبارہ سفر کریں۔ چنانچہ اس آیت میں باہر والوں یعنی آفاقی لوگوں کو اجازت دی گئی کہ ایک ہی سفر میں وہ عمرہ سے حج تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کرنے کے بعد وہ احرام کھول دیں اور حج کے لیے دوبارہ احرام باندھیں، البتہ ایسے حاجیوں کے لیے قربانی کرنا ضروری ہے۔

آیت ۱۹۷

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾

ج د ل

جَدَلَ (ن) جَدْلًا: رسی کو بل دینا۔

جَدِلَ (س) جَدَلًا: بات کو بل دینا، گھمانا پھرانا، بحث کرنا۔ ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ (الکھف) ''اور انسان ہر چیز سے زیادہ ہے بحث کرنے میں۔''

جَادَلَ (مفاعلہ) مُجَادَلَةً اور جِدَالًا: ایک دوسرے کی بات کو گھمانا پھرانا، مناظرہ کرنا۔ ﴿يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا﴾ (النحل: ۱۱۱) ''جس دن آئے گی ہر جان بحث کرتی اپنے آپ سے۔''

جَادِلْ (فعل امر): تو مناظرہ کر۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ﴾ (النحل: ۱۲۵) ''اور تو مناظرہ کر اُن سے اُس (چیز) سے جو سب سے خوبصورت ہے۔''

ز و د

زَادَ (ن) زَوْدًا: سفر کا خرچ مہیا کرنا۔

زَادٌ (اسم ذات) : سامان سفر، زادِ راہ۔ (آیت زیر مطالعہ)
تَزَوَّدَ (تفعّل) تَزَوُّدًا : سفر خرچ ساتھ رکھنا۔
تَزَوَّدْ (فعل امر) : تو سفر خرچ ساتھ رکھ۔ (آیت زیر مطالعہ)

ترکیب : ''اَلْحَجُّ'' مبتدأ ہے اور مرکب توصیفی ''اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ'' خبر ہے۔ ''فَمَنْ'' میں ''مَنْ'' شرطیہ ہے۔ ''فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ'' شرط ہے اور ''فَلَا رَفَثَ'' سے ''فِي الْحَجِّ'' تک جواب شرط ہے۔ ''فَرَضَ'' کا فاعل اس کی ''هُوَ'' کی ضمیر ہے جو ''مَنْ'' کے لیے ہے۔ ''اَلْحَجَّ'' اس کا مفعول ہے اور ''فِيْهِنَّ'' متعلق فعل ہے۔ اس میں ''هُنَّ'' کی ضمیر ''اَشْهُرٌ'' کے لیے ہے۔ ''فَرَضَ'' کے بعد ''عَلٰى نَفْسِهِ'' محذوف ہے۔ ''رَفَثَ، فُسُوْقَ اور جِدَالَ'' تینوں سے پہلے لائے نفی جنس ہیں اور یہ مبتدأ ہیں ان کی خبریں محذوف ہیں جو کہ ''جَائِزٌ'' ہو سکتی ہیں۔ ''مَا'' شرطیہ ہے اس لیے اس کی شرط ''تَفْعَلُوْا'' کا نون اعرابی گرا ہوا ہے اور جواب شرط ''يَعْلَمْ'' مجزوم ہے۔

باب تفعّل کے ماضی ''تَفَعَّلَ'' سے جمع مذکر غائب کا وزن ''تَفَعَّلُوْا'' بنتا ہے۔ جبکہ اس کے فعل امر ''تَفَعَّلْ'' سے جمع مذکر مخاطب کا وزن بھی ''تَفَعَّلُوْا'' بنتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں ہم شکل ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ''تَزَوَّدُوْا'' کے دونوں امکانات ہیں لیکن آیت کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہاں یہ فعل امر ہے۔

''فَاِنَّ'' کا اسم ''خَيْرَ الزَّادِ'' ہے اس لیے اس کے مضاف ''خَيْرَ'' پر نصب آئی ہے اور مرکب اضافی ہونے کی وجہ سے یہ تفضیل کل ہے۔ اردو محاورے کی وجہ سے اس کا ترجمہ مرکب توصیفی کا ہوتا ہے۔ ''اِنَّ'' کی خبر ''اَلتَّقْوٰى'' ہے اور اس پر لام جنس ہے۔ ''وَاتَّقُوْنِ'' میں ''وَاتَّقُوْا'' فعل امر ہے۔ ضمیر مفعولی آنے کی وجہ سے واو الجمع کا الف گر گیا اور ''نِ'' ضمیر مفعولی ''نِیْ'' کا نون وقایہ ہے۔

ترجمہ:

اَلْحَجُّ : حج (کے)	اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ : جانے پہچانے مہینے ہیں
فَمَنْ : تو جس نے	فَرَضَ : فرض کیا (خود پر)
فِيْهِنَّ : ان میں	الْحَجَّ : حج کو
فَلَا رَفَثَ : تو کسی قسم کی فحش گوئی نہیں ہے	وَلَا فُسُوْقَ : اور کوئی حکم عدولی نہیں ہے

وَلَا جِدَالَ : اور کوئی تو تو مَیں مَیں نہیں ہے	فِی الْحَجِّ : حج میں
وَمَا : اور جو	تَفْعَلُوْا : تم لوگ کرو گے
مِنْ خَیْرٍ : کوئی بھی بھلائی	یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ : تو جان لے گا اس کو اللہ
وَتَزَوَّدُوْا : اور تم لوگ سفر خرچ ساتھ رکھو	فَاِنَّ : پس یقیناً
خَیْرَ الزَّادِ : بہترین زادِ راہ	التَّقْوٰی : تقویٰ ہے
وَاتَّقُوْنِ : اور تقویٰ اختیار کرو میرا	یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ : اے خردمندو

نوٹ (۱) : سامانِ سفر ساتھ رکھنے کے حکم کے ساتھ تقویٰ کو بہترین سامانِ سفر کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف تقویٰ کافی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر سامان کے ساتھ بہترین سامان تقویٰ بھی رکھو اور اسے مت بھولو۔

آیت ۱۹۸

﴿ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴾

ف ی ض

فَاضَ (ض) فَیْضًا : پیمانہ لبریز ہونے سے پانی کا بہہ نکلنا' ابل پڑنا' پھوٹ بہنا۔ ﴿اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ (المائدۃ:۸۳) ''ان کی آنکھیں ابل پڑتی ہیں آنسو سے۔''

اَفَاضَ (افعال) اِفَاضَةً : یکبارگی پانی انڈیلنا۔ اس بنیادی مفہوم کے ساتھ مختلف معانی میں آتا ہے۔ مثلاً: (۱) کسی جگہ سے لوگوں کا جوق در جوق نکلنا۔ (آیت زیر مطالعہ) (۲) کسی بات کو پھیلانا' چرچا کرنا۔ ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ﴾ (الاحقاف:۸) ''وہ خوب جانتا ہے اس کو تم لوگ چرچا کرتے ہو جس کا۔''

اَفِضْ (فعل امر) : جوق در جوق نکل۔ (آگے آیت ۱۹۹ میں آیا ہے۔)

ترکیب : ''لَیْسَ'' کا اسم ''جُنَاحٌ'' نکرہ آیا ہے' کیونکہ عام قاعدہ بیان ہو رہا ہے۔ ''اَنْ تَبْتَغُوْا'' اس کی خبر ہے۔ ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ'' شرط ہے اور ''فَاذْكُرُوْا'' سے ''هَدٰىكُمْ'' تک جوابِ شرط ہے۔ ''عَرَفٰتٍ'' اسم علم یعنی ایک جگہ کا نام

ہے۔ ''فَاذْكُرُوْا'' کا فاعل اس کی ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور لفظ ''اللّٰهَ'' مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' جبکہ ''عِنْدَ'' ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ'' بھی اسمِ علم ہے اور مزدلفہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔ ''وَاِنْ كُنْتُمْ'' کا ''اِنْ'' مخففہ ہے۔ ''مِنْ قَبْلِهٖ'' میں ''هٖ'' کی ضمیر ہدایت کے لیے ہے۔

ترجمہ:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ : نہیں تم لوگوں پر	جُنَاحٌ : کوئی گناہ
اَنْ تَبْتَغُوْا : کہ تم لوگ جستجو کرو	فَضْلًا : کچھ روزی کی
مِّنْ رَّبِّكُمْ : اپنے ربّ سے	فَاِذَآ : پس جب بھی
اَفَضْتُمْ : تم لوگ جوق در جوق نکلو	مِّنْ عَرَفٰتٍ : عرفات سے
فَاذْكُرُوا : تو یاد کرو	اللّٰهَ : اللہ کو
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ : مشعر حرام کے پاس	وَاذْكُرُوْهُ : اور یاد کرو اس کو
كَمَا : اس طرح جیسے	هَدٰىكُمْ : اس نے ہدایت کی تم کو
وَاِنْ كُنْتُمْ : اور یقیناً تم لوگ	مِّنْ قَبْلِهٖ : اس سے پہلے
لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ : لازماً گمراہ ہونے والوں میں سے تھے۔	

نوٹ (۱) : ارشادِ قرآنی ''وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ'' سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا کہ ذکرُ اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے' اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے' بلکہ ذکرُ اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں' ان کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا' خواہ اس میں ذکرُ اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو' وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ نفلی عبادات اور صدقہ وخیرات وغیرہ میں جو لوگ بلا دلیلِ شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں' حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا' اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں' اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا۔ (معارف القرآن)

آیت ۱۹۹

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ترکیب : فعل امر ''اَفِیْضُوْا'' کا فاعل اس کی ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور ''اَفَاضَ'' کا فاعل ''النَّاسُ'' ہے' جبکہ ''مِنْ حَیْثُ'' ان دونوں کا ظرف ہے اس لیے محلاً منصوب ہے۔ فعل امر ''اِسْتَغْفِرُوْا'' کا فاعل اس کی ''اَنْتُمْ'' کی ضمیر ہے اور لفظ ''اَللّٰہَ'' اس کا مفعول ہے۔

ترجمہ:

ثُمَّ اَفِیْضُوْا : پھر تم لوگ جوق در جوق نکلو	مِنْ حَیْثُ : جہاں سے
اَفَاضَ : نکلے	النَّاسُ : لوگ
وَاسْتَغْفِرُوا : اور مغفرت طلب کرو	اللّٰہَ : اللہ سے
اِنَّ اللّٰہَ : یقیناً اللہ	غَفُوْرٌ : بے انتہا بخشنے والا ہے
رَّحِیْمٌ : ہر حال میں رحم کرنے والا ہے	

نوٹ (۱) : قریش خانہ کعبہ کے ''برہمن'' تھے اور عام حاجیوں کی طرح عرفات جا کر قیام کرنے میں ہتک محسوس کرتے تھے' اس لیے وہ لوگ مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور وہیں سے لوٹتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وی آئی پی کلچر کے بت کو توڑنے کا حکم دیا ہے' لیکن ہم لوگوں نے اسے اپنے گلے میں اٹکایا ہوا ہے' نہ نگلے بنتا ہے اور نہ اُگلے بنتا ہے۔ اس کلچر کو ہم بُرا بھلا بھی کہتے رہتے ہیں اور چھوڑتے بھی نہیں۔

یہ مسجد ہے کہ مے خانہ' تعجب اس پہ آتا ہے
جناب شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی!

آیت ۲۰۰

﴿فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾﴾

ترکیب : ''فَاِذَا'' میں ''اِذَا'' شرطیہ ہے۔ ''قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ'' شرط ہے اور ''فَاذْکُرُوْا'' سے ''ذِکْرًا'' تک جوابِ شرط ہے۔ ''کَذِکْرِکُمْ'' میں ''ذِکْرِ'' مصدر نے فعل کا عمل کیا ہے اور ''اٰبَاءَ'' کو نصب دی ہے۔ تفسیر حقانی کے مطابق ''اَشَدَّ'' حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ''ذِکْرًا'' اس کی تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ''مَنْ'' یہاں جمع کے مفہوم میں ہے۔ لفظی رعایت کے تحت ''یَقُوْلُ'' واحد آیا ہے اور معنوی لحاظ سے ''رَبَّنَا اٰتِنَا'' پر جمع کی ضمیر آئی ہے۔ ''رَبَّنَا'' میں ''رَبَّ'' کی نصب بتا رہی ہے کہ اس سے پہلے حرفِ

ندا محذوف ہے۔ ''مَا'' نافیہ ہے۔ ''خَلَاقٍ'' مبتدأ مؤخر نکرہ ہے اور اس پر ''مِنْ'' تبعیضیہ لگا ہوا ہے۔ اس کی خبر محذوف ہے جو کہ ''وَاجِبًا'' یا ''ثَابِتًا'' ہو سکتی ہے۔ ''لَهٗ'' قائم مقام خبر مقدم ہے اور اس کی ضمیر ''مَنْ'' کے لیے ہے جبکہ ''فِی الْاٰخِرَةِ'' متعلق خبر ہے۔

ترجمہ:

فَاِذَا : پس جب	قَضَيْتُمْ : تم لوگ پورا کر لو
مَّنَاسِكَكُمْ : اپنے حج کے اعمال کو	فَاذْكُرُوا : تو یاد کرو
اللّٰهَ : اللہ کو	كَذِكْرِكُمْ : تمہارے یاد کرنے کی مانند
اٰبَآءَكُمْ : اپنے آباء واجداد کو	اَوْ اَشَدَّ : یا زیادہ شدید ہوتے ہوئے
ذِكْرًا : بلحاظ ذکر کے	فَمِنَ النَّاسِ : پس لوگوں میں وہ بھی ہیں
مَنْ : جو	يَّقُوْلُ : کہتے ہیں
رَبَّنَآ : اے ہمارے ربّ!	اٰتِنَا : تو دے ہم کو
فِی الدُّنْيَا : دنیا میں	وَمَا لَهٗ : اور نہیں ہے اس کے لیے
فِی الْاٰخِرَةِ : آخرت میں	مِنْ خَلَاقٍ : بھلائی کا کسی قسم کا کوئی بھی حصہ

آیت ۲۰۱

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾﴾

ترکیب : ''مِنْهُمْ'' کی ضمیر گزشتہ آیت کے لفظ ''النَّاس'' کے لیے ہے۔ ''اٰتِنَا'' میں ''اٰتِ''، فعل امر ہے، ضمیر مفعولی ''نَا'' مفعول اوّل ہے اور ''حَسَنَةً'' مفعول ثانی ہے۔ ''قِنَا'' میں ''قِ''، فعل امر ہے، ضمیر مفعولی ''نَا'' مفعول اوّل ہے اور ''عَذَابَ النَّارِ'' مفعول ثانی ہے۔

ترجمہ:

وَمِنْهُمْ : اور ان میں وہ بھی ہیں	مَّنْ : جو
يَقُوْلُ : کہتے ہیں	رَبَّنَآ : اے ہمارے ربّ
اٰتِنَا : تو دے ہم کو	فِی الدُّنْيَا : دنیا میں
حَسَنَةً : بھلائی	وَّفِی الْاٰخِرَةِ : اور آخرت میں

حَسَنَةً : بھلائی　　وَّقِنَا : اور تو بچا ہم کو
عَذَابَ النَّارِ : آگ کے عذاب سے

آیت ۲۰۲

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾

ن ص ب

نَصَبَ (ف۔ض) نَصْبًا : (۱) کسی چیز کو گاڑنا' جمانا۔ (۲) کسی کو تکلیف دینا۔ ﴿وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝﴾ (الغاشیة) ''اور پہاڑوں کی طرف (نہیں دیکھتے کہ) کیسے وہ جمائے گئے۔''

نَصِبَ (س) نَصَبًا : محنت کرنا' کوشش کرنا۔

اِنْصَبْ (فعل امر) : تو محنت کر' کوشش کر۔ ﴿فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝﴾ (الم نشرح/الانشراح) ''پس جب بھی آپؐ فارغ ہوں تو آپؐ محنت کریں اور اپنے ربّ کی طرف پھر رغبت کریں۔''

نَاصِبٌ (اسم الفاعل) : محنت کرنے والا' کوشش کرنے والا۔ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝﴾ (الغاشیة) ''کچھ چہرے اُس دن خوف زدہ ہونے والے ہیں' عمل کرنے والے' محنت کرنے والے۔''

نَصَبٌ (اسم ذات) : مشقت' تکلیف۔ ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ﴾ (الحجر:۴۸) ''نہیں پہنچے گی ان کو اس میں کوئی مشقت۔''

نُصُبٌ (اسم ذات) : ایذا' تکلیف۔ ﴿اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝﴾ (ص) ''کہ چھوا مجھ کو شیطان نے ایذا سے اور عذاب سے۔''

نُصُبٌ ج اَنْصَابٌ (اسم ذات) : بھینٹ چڑھانے کی علامت کے لیے گاڑے ہوئے پتھر' استھان' بت۔ ﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدۃ:۳) ''اور جو ذبح کیا گیا استھان پر۔'' ﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ﴾ (المائدۃ:۹۰) ''کچھ نہیں سوائے اس کے کہ نشہ اور جوا اور استھان اور پانسے نجاست ہیں۔''

نَصِيْبٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر اسم المفعول کے معنی میں صفت) : گاڑا ہوا' جمایا ہوا۔ پھر کسی چیز کے کسی کے لیے مقرر کردہ حصے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (آیت زیر مطالعہ)

س ر ع

سَرُعَ (س۔ک) سَرَعًا اور سُرْعَةً : کوئی کام تیزی سے کرنا' جلدی کرنا۔
اَسْرَعُ (افعل التفضیل) : زیادہ تیز یا سب سے تیز۔ ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ﴾ (الانعام) ''اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے۔''
سَرِيْعٌ (فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت): جلدی کرنے والا' تیز۔ (آیت زیر مطالعہ)
سَارَعَ (مفاعلہ) سِرَاعًا : ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے جلدی کرنا' سبقت کرنا۔ ﴿وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ﴾ (آل عمران:١١٤) ''اور وہ لوگ باہم سبقت کرتے ہیں بھلائیوں میں۔''
سَارِعْ (فعل امر) : تو سبقت کر۔ ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ﴾ (آل عمران:١٣٣) ''اور تم لوگ باہم سبقت کرو مغفرت کی طرف۔''

ح س ب

حَسَبَ (ن) حَسَبًا : گنتی کرنا' شمار کرنا یعنی حساب رکھنا' حساب کرنا۔
حَسِبَ (س۔ح) حِسْبَانًا : خیال کرنا' گمان کرنا۔ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ (البقرة:٢١٤) ''کیا تم لوگوں نے گمان کیا کہ تم لوگ داخل ہو گے جنت میں؟''
حَاسِبٌ (اسم الفاعل) : حساب رکھنے والا' حساب کرنے والا۔ اوپر لفظ ''اَسْرَعُ''۔ (الانعام:٦٢).
حَسِيْبٌ (فَعِيْلٌ کا وزن) : ہمیشہ اور ہر حال میں حساب کرنے والا۔ ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾ (النساء) ''اور کافی ہے اللہ بطور حساب کرنے والے کے۔''
حُسْبَانٌ (فُعْلَانٌ ــــ وزن پر مبالغہ کا صیغہ) : (١) بے انتہا حساب رکھنے والا۔ (٢) سخت پکڑ کرنے والا (حساب کے نتیجے میں)' آفت۔ ﴿وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ (الانعام:٩٦) ''اور اس نے بنایا رات کو سکون اور سورج اور چاند کو حساب رکھنے والا۔'' ﴿وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (الکھف:٤٠) ''اور وہ بھیجے اس پر کوئی آفت آسمان سے۔''
حَسْبُ (اسم فعل) : حساب کتاب میں پورا' یعنی کافی۔ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ (آل عمران) ''کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا ہی اچھا وکیل ہے!''
حَاسَبَ (مفاعلہ) مُحَاسَبَةً اور حِسَابًا : کسی سے کسی چیز کا حساب مانگنا' حساب لینا۔ ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (البقرة:٢٨٤) ''اور

اگر تم لوگ ظاہر کرو اس کو جو تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اس کو اللہ حساب لے گا تم سے اس کا۔''

اِحْتَسَبَ (افتعال) اِحْتِسَابًا : (۱) اہتمام سے حساب مانگنا۔ (۲) اہتمام سے خیال کرنا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ (الطلاق:۲،۳) ''اور جو تقویٰ کرتا ہے اللہ کا وہ تو بناتا ہے اس کے لیے نکلنے کا ایک راستہ۔ اور وہ رزق دیتا ہے اس کو وہاں سے جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

ترکیب : ''اُولٰٓئِكَ'' مبتدأ ہے اور ''لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا'' یہ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس جملہ میں ''نَصِيْبٌ'' مبتدأ موخر نکرہ ہے۔ خبر محذوف ہے اور ''لَهُمْ'' قائم مقام خبر مقدم ہے' جبکہ ''مِمَّا كَسَبُوْا'' متعلق خبر ہے۔ ''اَللّٰهُ'' مبتدأ اور مرکب اضافی ''سَرِيْعُ الْحِسَابِ'' اس کی خبر ہے۔

ترجمہ:

اُولٰٓئِكَ : وہ لوگ ہیں	لَهُمْ : جن کے لیے
نَصِيْبٌ : ایک حصہ ہے	مِّمَّا : اس میں سے جو
كَسَبُوْا : انہوں نے کمایا	وَاللّٰهُ : اور اللہ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ : حساب لینے میں تیز ہے	

نوٹ (۱) : سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۰۰ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا میں مانگتے ہیں۔ وہاں پر بتا دیا گیا کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا' یعنی دنیا میں ملے گا یا نہیں' اور ملے گا تو کتنا' اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ اپنے علم اور حکمت سے کرے گا' لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہیں آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ پھر آیت ۲۰۱ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو اپنی نیکی کا اجر دنیا اور آخرت' دونوں جگہ مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا' اس کی وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے کہ جو نیکی انہوں نے کمائی ہے اس کا کچھ حصہ انہیں دنیا میں ملے گا اور کچھ حصہ آخرت میں۔ اس بات کی مزید وضاحت ایک حدیث سے ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے (ترجمہ نہیں) کہ ایک غازی' جس نے صرف اللہ کی رضا کے لیے قتال میں حصہ لیا' پھر مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ لیا' اس نے اپنے اجر کا دو تہائی حصہ وصول کر لیا۔ یہ مسلم شریف کی حدیث ہے۔ جو لوگ حدیث کے بغیر قرآن مجید سے ہی سب کچھ سمجھنا چاہتے ہیں وہ لوگ اپنی دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ یہ حدیث آیت ۲۰۱ سے ٹکراتی ہے' یعنی اس کے خلاف ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنی قرآن فہمی کا دوبارہ جائزہ لینا چاہیے جس پر اُن کا تکیہ ہے۔

سلسلۂ نباتاتِ قرآن

شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ

احمد الدین مارہروی

سید قاسم محمود صاحب کے قلم سے ''سلسلۂ نباتاتِ قرآن'' کے ضمن میں گزشتہ شمارے میں ''یقطین'' کے بارے میں مضمون شائع ہوا تھا۔ اس بارے میں پروفیسر احمد الدین مارہروی مرحوم کی تحقیق سطورِ ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ یہ مضمون اگرچہ حکمت قرآن میں چند سال پہلے شائع ہو چکا ہے' لیکن اب اس کی مکرر اشاعت قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی۔ (ادارہ)

قرآن حکیم کی سورۃ الصّٰفّٰت میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾﴾

''اور تحقیق یونس پیغمبروں میں تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے۔ پھر جب قرعہ ڈالنے والوں میں شریک ہوئے تو انہی کا نام نکلا۔ پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ اور اگر وہ خدا کے نام کی تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔ تو ہم نے انہیں ایک چٹیل جگہ پر ڈال دیا اور اُس وقت اُن کی حالت بڑی سقیم تھی۔ اور وہاں ہم نے یقطین کا ایک پودا اُگا دیا۔''

حضرت یونس علیہ السلام کو جس قوم کی رشد و ہدایت کا فریضہ سپرد ہوا تھا اس کے متعلق جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ عراق کے مشرقی علاقے میں آباد تھی۔ اس لیے کشتی میں سوار ہونے' مچھلی کے نگلنے اور پھر انہیں قرب و جوار ہی میں کہیں چٹیل اور بے آب و گیاہ ساحل پر اگل دینے کا واقعہ پیش آیا ہوگا۔ اور اس بات کی بھی تحقیق ہوگئی ہے کہ جس مچھلی کا اس مقام پر

ذکر کیا گیا ہے وہ وہیل تھی اور میرا خیال ہے کہ بلین (Bleen) قسم کی ہوگی' جس کے دانت نہیں ہوتے' بلکہ اوپر کے جبڑے یا تالو میں چھلنی کی طرح کا ایک پردہ لٹکتا رہتا ہے۔ چھوٹی غذا اس میں سے چھن کر اندر جاتی ہے اور بڑی غذا (جیسے کہ انسانی جسم) کو نگلتے وقت چھلنی ایک طرف ہٹ جاتی ہے اور شکار بلا چبائے اندر چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کا ہضم کرنا اس کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ بالعموم یا تو وہ اسے اگل دیتی ہے یا مر جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں قسم کے واقعات مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام جب اُس کے پیٹ میں گئے تو وہ انہیں جزوِ بدن نہ بنا سکی۔ ساتھ ہی انہوں نے خدا تعالیٰ سے دعا اور استغفار کی' جس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آیات ۸۷'۸۸ میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿..... فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ﴾

''..... آخر کار انہوں نے (سمندر اور وہیل کے پیٹ کی) تاریکیوں میں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں ہے' تو پاک ہے اور میں ہی گناہگاروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی۔''

اور نتیجتاً وہیل نے انہیں ایک ایسے کنارے پر لے جا کر اُگل دیا جو ایک چٹیل ساحل تھا۔ اور وہاں خدا تعالیٰ نے کمالِ شفقت و مہربانی سے ایک نئے قسم کا شجر (پودا) اُگا دیا' جس کو ''یقطین'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن ادنیٰ تفکر سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ یقطین کی کوئی خاص قسم تھی۔

ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیات اور اُس کی حکمتوں پر غور کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو ذہن اس سوال کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام کی کیا حالت تھی اور اُن کو کن اشیاء کی ضرورت رہی ہوگی۔

پہلی بات تو یہ نظر آتی ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے اور ابکائیاں لے کر اگلنے کے بعد ان کی کھال جگہ جگہ سے ادھڑ گئی ہوگی' اس میں زخم پڑ گئے ہوں گے' جن پر مکھیوں کے بیٹھنے اور ستانے اور ان میں زہریلے جراثیم کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے سخت اذیت کا سامنا ہوا ہوگا۔ دوسرے اس حالت میں سخت اور سنگلاخ زمین پر لیٹے رہنا تکلیف کا باعث ہوتا ہوگا' اور کروٹ لینے سے زخموں میں رگڑ لگتی ہوگی۔ پھر دھوپ کی تپش اوّل تو ویسے ہی تکلیف دہ ہوتی ہے اور زخموں میں تو آفتاب کی کرنیں تیر و نشتر بن کر چبھتی ہوں گی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے

کے لیے غذا اور پانی کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے ان جملہ ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے وہاں یہ مخصوص پودا اُگا دیا۔ لیکن اس یقطین کا ادراک اور اسے صحیح طور پر سمجھنا دور بیٹھے ہوئے مترجمین اور مفسرین کے لیے آسان ثابت نہ ہو سکا۔

عام طور پر اس کا ترجمہ ''کدو کا پیڑ'' کیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے اسے ''ایک درخت بیل والا یعنی کدو'' کہا ہے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کدو کا لفظ حذف کر دیا ہے۔ مارماڈیوک پکتھال نے ''لوکی کا درخت'' لکھا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی شاہ صاحب ہی کا اتباع کیا ہے۔

میں خود اس کے متعلق عرصہ تک مذبذب رہا' حتیٰ کہ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور مجھے بحیثیت ناظم تعلیمات تین سال تک مکران میں قیام کرنے اور گھوم پھر کر اس تمام علاقے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اہل مکران کی زبان مسخ شدہ فارسی ہے' لیکن اس میں دوسری زبانوں بالخصوص عربی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ پنجابی اور انگریزی کے لفظ بھی شامل ہو گئے۔ بلیدہ میں ایک نیا لفظ ''اگین'' (ا۔گ۔ی۔ن) سننے میں آیا جو ایک خاص قسم کی گول لوکی کے واسطے استعمال ہوتا ہے جو تربوز کے برابر ہوتی ہے۔ ظاہری طور پر تو یہ لوکی ہی ہوتی ہے' لیکن اس کا مزا ککڑی سے بہت ملتا جلتا ہے۔ اس میں شیرینی بھی ہوتی ہے اور پانی کا جزو تو بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ چھلکا بھی اتنا نرم اور لذیذ ہوتا ہے کہ بآسانی کھا لیا جائے۔ ہمیں تو اسے بجائے پکانے کے کچا کھانے میں زیادہ لطف آتا تھا۔ ایک روز یکا یک خیال آیا کہ کہیں یہی تو وہ پودا نہیں جو خدا تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واسطے اس چٹیل میدان میں پیدا کیا تھا اور جس کا ذکر اوپر کی آیات میں کیا جا چکا ہے۔ لفظ اَگین کی ساخت پر غور کیا تو ایسا نظر آیا کہ ''ق'' کا تلفظ تو موجودہ عربی کی طرح ''گ'' میں تبدیل ہو گیا۔ ''ی'' الف (ا) سے بدل گئی اور ''ط'' کثرتِ استعمال سے حذف ہو گیا۔ اس طرح ''یقطین'' نے ''اَگین'' کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد یہ جستجو ہوئی کہ نجانے اس کا پودا کس ماحول میں نشوونما پاتا ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ خوش قسمتی سے مکران کے صدر مقام تربت میں حکومت پاکستان کے شعبۂ تحفظ پودا جات (Plant Protection) کا بھی ایک دفتر ہے' اس سے بھی اس سلسلہ میں رابطہ قائم کیا گیا۔ پتا چلا کہ ساحلی علاقوں میں خود رَو اُگا کرتا تھا' لیکن اب جو بازار میں اس کی مانگ بڑھی تو کاشت کاروں نے کھیتوں میں بھی بونا شروع کر دیا ہے۔

مکران کا ساحل طبعی طور پر ساحلِ عراق سے مشابہ ہے۔ اس کے قریب مچھلیوں کی بڑی کثرت ہے' جو قدیم الایام سے اس علاقہ کے لوگوں کی خوراک اور ذریعہ آمدنی ہے۔ چنانچہ پَسنی اور گوادر کی بندرگاہوں کو ماہی گیروں کی جنت کہا جاتا ہے' اور انہی علاقوں میں اَگین کی پیداوار ہوتی ہے۔ ہم نے ان مقامات کا بچشم خود مشاہدہ کیا۔ جگہ جگہ مچھلیوں کی گلی سڑی ہڈیوں اور کانٹوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے' جن پر یہ پودا اُگتا ہے' اور خوب نشوونما پاتا ہے۔ غلاظت کے یہ انبار بہت اعلیٰ قسم کی کھاد کا کام دیتے ہیں اور سمندر کے بخارات سے پیدا ہونے والی شبنم نیچے گر کر اُن کی آبیاری کرتی ہے۔ بیل دُور دُور تک پھیلی ہوتی ہے جس کے اندر بیک وقت ایک نہیں دو چار انسان اپنے آپ کو بخوبی چھپا سکتے ہیں۔ پتے نہایت چکنے اور ملائم ہوتے ہیں' جو نیچے نرم و نازک گدوں اور اوپر اوڑھنے کے لیے ریشمی چادر کا کام دیتے ہیں۔ تری اور خشکی اتنی ہوتی ہے کہ آفتاب کی کرنیں اندر چھپے ہوئے انسان کو تکلیف نہیں دے سکتیں۔ اس کا پھل' جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے' ککڑی کی طرح نہایت لذیذ' میٹھا' سبک اور ہاضم ہوتا ہے اور مریضوں کے لیے بڑی اچھی غذا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اندر رطوبت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ پانی نہ بھی میسر آئے تب بھی پیاس نہیں لگتی۔

ایک عجیب بات جس نے ہم سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا' یہ تھی کہ کھلے ساحل پر دھوپ میں جہاں مچھلی پڑی ہوئی ہوتی ہے' وہاں کیڑے مکوڑوں اور مکھیوں کی بڑی افراط ہوتی ہے' لیکن اس پودے کے قریب دُور دُور تک ان میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ محکمہ پودا جات نے اس معاملہ میں میری بڑی مدد کی۔ ان کے افسروں نے اس کے پتوں اور ڈنٹھلوں کا کیمیاوی تجزیہ کر کے پتا لگایا کہ اس کی رگ و پے میں جو عرق دوڑتا پھرتا ہے اس کے اندر ایک کیمیاوی مادّہ شامل ہے جو حشرات الارض کے واسطے مہلک بھی ہے اور اس کی بو اُن کو ناگوار بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ادنیٰ کیڑے تو درکنار سانپ بچھو بھی اس طرف کا رُخ کرنے سے کتراتے ہیں۔

قرآن مجید جس کا محض پڑھ لینا لوگ باعثِ ثواب و برکت اور اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں' دراصل علم و حکمت کا ایک بحرِ زخار ہے جس میں خود صاحب کلام ہی کو علم ہے کہ کتنے گوہر آبدار پوشیدہ ہیں اور اُن کی دریافت کے لیے کتنی گہرائی تک غواصی کرنے کی ضرورت ہے۔ علماء و مفسرین اور محققین چودہ سو برس سے اسی تگ و دَو میں مصروف ہیں اور انہوں نے دنیا کو بے شمار صدف گوہر دار فراہم کیے ہیں' لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس لامتناہی خزانہ کا کتنا حصہ

(باقی صفحہ 60 پر)

اُسوۂ حسنہ کی اہمیت

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰى بُيُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا: وَاَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ، قَالَ اَحَدُهُمْ: اَمَّا اَنَا فَاِنِّيْ اُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَلَا اُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ: ((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ)) (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے گھروں میں تشریف لائے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا معمول کیا ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور معاف فرما دیے گئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے) لہٰذا آپؐ کو زیادہ عبادت و ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گنہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں

تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں)۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے کہا کہ اب یقیناً میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش ہی رہوں گا' نکاح کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صحابہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''تم ہی لوگوں نے یہ باتیں کہی ہیں؟ (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کیے ہیں) سن لو! اللہ کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں' لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں' اور بلاروزے کے بھی رہتا ہوں' اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور (میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے' بلکہ) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں۔ (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی ہستی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے محبوب ترین تھی۔ اسوۂ حسنہ کو اپنانا اُن کی چاہت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی بیرون خانہ عبادت کے متعلق تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی' کیونکہ وہ تو سب کے سامنے تھی' البتہ آپؐ کی درونِ خانہ عبادت عام لوگوں کے سامنے نہ تھی لہٰذا صحابہ میں سے ان تین افراد کو شوق ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نفلی عبادات کا حال دریافت کریں۔ چنانچہ وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے آپؐ کی عبادات کا حال پوچھنے گئے۔ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی عبادات کے متعلق بتایا گیا تو انہیں تعجب ہوا اور انہوں نے اسے کم سمجھا' مگر خود ہی اپنے ذہن میں ازراہِ عقیدت یہ تصور کر لیا کہ آپؐ تو اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کی اگلی پچھلی خطاؤں کی معافی کا اعلان قرآن مجید میں آ چکا۔ جنت میں آپؐ کے درجاتِ عالیہ کا فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ آپؐ کو زیادہ عبادت کی حاجت نہیں' مگر ہمارا معاملہ دوسرا ہے' ہمیں تو کثرت کے ساتھ عبادات کرنی چاہئیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ فیصلے کیے جو حدیث میں مذکور ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کو صورتِ حال سے آگاہی ہوئی تو آپؐ نے ان کی اصلاح ضروری سمجھی اور خود اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ ہادی و راہنما اور معلم تھے۔ اُن تینوں صحابہ کرامؓ کو اپنے پاس بلا بھی سکتے تھے مگر آپؐ خود اُن کے پاس گئے۔

اس میں اُمت کے علماء کے لیے اُسوۂ حسنہ چھوڑا کہ اگر ضرورت محسوس ہو تو کسی کی اصلاح کے لیے چل کر جانا کوئی معیوب بات نہیں' بلکہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہونے کی وجہ سے باعث اجر وفضیلت ہے۔ آپؐ نے پہلے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم نے یہ بات کہی ہے؟ جب انہوں نے اقرار کیا تو پھر آپؐ نے اپنی مثال پیش کرتے ہوئے اُن کی غلط فہمی دور کی اور فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر ہے۔ مگر اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' رات کو اٹھ کر نوافل بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں' اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کیے ہیں' یعنی ازدواجی زندگی کے حقوق بھی پورے کر رہا ہوں۔ میرا طریقہ تو یہ ہے! پس جس شخص نے میرے طریقے سے منہ موڑا وہ میرا نہیں۔ گویا آپؐ نے ساری رات نماز پڑھنے کو' لگاتار روزے رکھنے کو اور شادی بیاہ کے بغیر رہنے کو پسند نہیں کیا اور آخر میں اس کی وجہ بھی بتا دی کہ تمام انسانوں کے لیے مثالی اور نمونہ کی زندگی رسول اللہ ﷺ کی ہے' اور جس نے اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ سنت نبوی سے دُور جا پڑا۔

یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کی تشریح اور تفسیر ہے۔ نیز سورۃ الحجرات کی پہلی آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ کے مطلب کو بھی واضح کرتی ہے کہ سیدھا راستہ بس وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ چلتے رہے۔ باقی اُمت کے چھوٹے بڑے تمام افراد کے لیے آپ کی راہ ہی کی پیروی کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ آپ کا عمل عین اسلام ہے جو اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔

اسلام اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔ جہاں قدم اعتدال سے ہٹ گیا وہاں صراطِ مستقیم سے انحراف ہوا۔ نماز' روزہ چھوڑ دینا اور خواہشاتِ نفسانی کے پیچھے لگ جانا بے دینی ہے' مگر عبادات میں حد سے زیادہ مشغولیت اور ازدواجی زندگی سے فرار بھی پسندیدہ نہیں۔ دونوں صورتوں میں قدم جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی جو انتہائی مثالی زندگی ہے اُس میں سراسر اعتدال ہے۔ آپؐ رات کو جاگ کر نوافل بھی پڑھتے تھے' تلاوت بھی کرتے تھے اور آرام کرنے کے لیے لیٹتے بھی تھے۔ آپؐ نے شادیاں کیں' آپؐ کے بچے ہوئے' آپؐ نے بیوی بچوں کے حقوق ادا کیے۔ یوں آپؐ نے بھرپور زندگی بسر کی مگر ہر حال میں اپنے خالق و مالک کو یاد رکھا اور یہی دین اسلام کا تقاضا ہے۔ نفس کشی

اور رہبانیت اسلام کے خلاف ہے۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ کی مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہرگز ایمان کا تقاضا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہر شخص کے لیے نمونہ تھی۔ لوگوں پر آپؐ کی پیروی کرنا لازم تھا۔ اگر آپؐ کی زندگی حد سے زیادہ پر مشقت ہوتی تو لوگوں کے لیے اُس کے مطابق عمل کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی زندگی ہمہ وقت درمیانی چال پر تھی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عبادات میں غلو کرنا چاہا تو آپؐ نے اس سے روک دیا۔

اس حدیث سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ دین کی ان باتوں پر عمل کریں جن کی رسول اللہ ﷺ نے تلقین کی ہے۔ ہر عمل کو وہی اہمیت دیں جو رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ فرض کو فرض جانیں، سنت کو سنت سمجھیں، نفلی عبادات کو نفل کے درجے میں رکھیں۔ انتہائی خلوص کے ساتھ کیا ہوا اضافہ بھی بدعت قرار پائے گا، کیونکہ دین کا ہر کام رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہونا چاہیے۔ جہاں آپؐ کے طریقے کے خلاف ہوا وہاں وہ عمل صفر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ))(۱) ''نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔'' گویا نماز وہی درست ہے جو آپؐ کے طریقے کے مطابق پڑھی جائے۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی دوسری ہستی اُسوۂ حسنہ نہیں ہے۔ اُمت کے تمام اتقیاء واولیاء وصلحاء سب آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کی پابندی کرتے رہے۔ اگر کسی بزرگ سے کوئی خلافِ سنت عمل منسوب کیا گیا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اُس بزرگ پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔ دوسری یہ کہ اُس شخص کو خواہ مخواہ بزرگ مان لیا گیا ہے۔ تیسری بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ کسی چھوٹے بڑے اُمتی کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض کرنے کی اجازت نہیں، جیسا کہ اس حدیث کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے۔ دین میں لمبی چوڑی عبادات کو شامل کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا، کیونکہ حکمت کا تقاضا تھا کہ دین آسان اور قابل عمل رہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آسانی چاہتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ بدعات سے اعراض کرتے ہوئے سنت نبویؐ کو ہی مشعل راہ بنائیں اور کسی بھی دوسری چیز کو زیادہ اہمیت نہ دیں۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة والاقامة وکذلك۔

چہرے کا پردہ

واجب، مستحب یا بدعت؟ (۶)

تحریر: حافظ محمد زبیر

حجاب کے لزوم کا انکار کرنے والے حضرات جن احادیث مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں ان میں سے تین پر ہم گزشتہ شمارے میں بحث کر چکے ہیں۔

چوتھی دلیل:

حدثنا یعقوب بن کعب الانطاکی ومؤمّل بن الفضل الحرّانی قالا حدثنا الولید عن سعید بن بشیر عن قتادة عن خالد قال یعقوب بن دریك عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْهَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: ((یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ تَصْلُحْ اَنْ یُرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا)) وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفِّهٖ (۱۵۱)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور انہوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے جسم کے اعضاء میں سوائے اس کے اور اس کے کچھ نظر آئے'' اور آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔''

روایت کی استنادی حیثیت

علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، حالانکہ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ اس روایت میں چار علل ہیں:

پہلی علت: خالد بن دریک کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔ امام ابوداؤد اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا مرسل خالد بن دريك لم يدرك عائشة (۱۵۲)

''یہ روایت مرسل ہے۔ خالد بن دریک نے حضرت عائشہؓ کو نہ پایا۔''

دوسری علت: اس حدیث کی سند میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے۔ جمہور اور جلیل القدر ائمہ جرح وتعدیل نے سعید بن بشیر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے لیکن ایسے علماء بہت کم ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جمہور علماء کی طرف سے کی گئی جرح مفسر ہے۔ اور علم جرح وتعدیل کا قاعدہ ہے کہ جب کسی راوی کے بارے میں جرح وتعدیل میں اختلاف ہو جائے تو جرح اگر مفسر ہو گی تو اس کو تعدیل پر مقدم رکھا جائے گا۔ امام مزی سعید بن بشیر کے ترجمے میں بیان کرتے ہیں:

وقال الدوری وغیره عن ابن معین لیس بشیء وقال عثمان الدارمی وغیره عن ابن معین ضعیف وقال علی بن المدینی کان ضعیفا وقال محمد بن عبدالله بن نمیر منکر الحدیث لیس بشئ لیس بقوی الحدیث یروی عن قتادة المنکرات وقال البخاری یتکلمون فی حفظه وهو محتمل وقال ابن ابی حاتم سمعت ابی وابا زرعة یقولان محله الصدق عندنا وقال النسائی ضعیف وقال الحاکم ابو احمد لیس بالقوی عندهم وقال ابن عدی والغالب علیه الصدق وقال الآجری عن ابی داؤد ضعیف وقال ابن حبان کان ردی الحفظ فاحش الخطأ وقال ابو بکر البزار هو عندنا صالح لیس به بأس وقال بقیة عن شعبة ذلك صدوق اللسان فی الحدیث (۱۵۳)

''دوری وغیرہ نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ سعید بن بشیر کچھ نہیں ہے۔ امام عثمان الدارمی نے ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے۔ علی بن مدینی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ ابن نمیر نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور حدیث کے معاملے میں تو ی نہیں ہے قتادہ سے منکر احادیث نقل کرتا ہے۔ امام بخاری نے کہا کہ محدثین کو

اس کے حفظ میں کلام ہے اور وہ محتمل ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد صاحب اور ابوزرعہ سے سنا ہے کہ وہ ہمارے نزدیک صدوق ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ وہ ہمارے نزدیک قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ صدوق ہے۔ آجری نے ابی داؤد سے نقل کیا ہے کہ ابوداؤد اسے ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبان نے ردی الحفظ اور فاحش الغلط قرار دیا ہے۔ ابوبکر البزار نے کہا کہ ہمارے نزدیک اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے' وہ صالح الحدیث ہے۔ بقیہ نے شعبہ سے نقل کیا ہے کہ وہ حدیث کے معاملے میں صدوق ہے۔''

ہم مذکورہ بالا عبارت میں دیکھ رہے ہیں کہ جلیل القدر ائمہ جرح وتعدیل یحییٰ بن معین' علی بن مدینی' ابوداؤد' نسائی' ابن حبان اور بخاری نے اسے ضعیف راوی شمار کیا ہے۔ اور بعض ائمہ نے تو اس کی قتادہ سے بیان کی گئی روایات کو منکرات میں شمار کیا ہے۔

تیسری علت: اس حدیث کی سند میں قتادہ اور ولید دو راوی مدلس ہیں اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ صحیحین یا ان کے منہج پر لکھی جانے والی کتابوں کے علاوہ (مثلاً **مستدرك على الصحيحين**) اگر کسی کتاب میں کوئی مدلس راوی عنعنہ سے روایت بیان کرے گا تو وہ روایت ضعیف شمار ہوگی۔ صحیحین اور ان کے منہج پر لکھی جانے والی کتابوں میں موجود مدلس راویوں کے عنعنہ کے بارے میں ہم امام نووی اور امیر صنعانی کے حوالے سے بحث کر چکے ہیں کہ ان کتابوں کی روایات اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

شیخ حماد بن محمد الانصاری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

۱) **قتادة بن دعامة السدوسي البصري صاحب انس بن مالك كان حافظ عصره وهو مشهور بالتدليس وصفه به النسائي وغيره من الطبقة الثالثة**(۱۵۴)

''قتادہ بن دعامہ السدوسی البصری حضرت انس بن مالکؓ کے صاحبین میں سے ہیں' اپنے زمانے کے حافظ تھے۔ تدلیس میں معروف ہیں۔ ان پر مدلس ہونے کا الزام امام نسائی اور دوسرے محدثین نے لگایا ہے۔ یہ تیسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔''

۲) **وليد بن مسلم الدمشقي معروف موصوف بالتدليس الشديد مع الصدق من الرابعة**(۱۵۵)

''ولید بن مسلم الدمشقی بہت زیادہ تدلیس کرنے میں معروف وموصوف ہیں' صادق ہیں' چوتھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں''۔

چوتھی علت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما دونوں کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ دونوں کے بارے میں احادیث بیان ہو چکی ہیں کہ وہ اپنے چہرے کو ڈھانپتی تھیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دو جلیل القدر صحابیات ایک روایت کو بیان کریں اور ان کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو؟ مذکورہ بالا چار علل سے ثابت ہوا کہ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

پانچویں دلیل:

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ ...... فَجَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ ...... فَاَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ فِيْ بَيْتِ اُمِّ شَرِيْكٍ ' ثُمَّ قَالَ: ((تِلْكِ امْرَاَةٌ يَغْشَاهَا اَصْحَابِي اعْتَدِّيْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهُ رَجُلٌ اَعْمٰى تَضَعِيْنَ ثِيَابَكِ))(١٥٦) (وفى رواية) قال: ((انْتَقِلِيْ اِلٰى اُمِّ شَرِيْكٍ وَاُمُّ شَرِيْكٍ امْرَاَةٌ غَنِيَّةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ عَظِيْمَةُ النَّفَقَةِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ' يَنْزِلُ عَلَيْهَا الضِّيْفَانُ)) فَقُلْتُ: سَاَفْعَلُ' فَقَالَ: ((لَا تَفْعَلِيْ اِنَّ اُمَّ شَرِيْكٍ امْرَاَةٌ كَثِيْرَةُ الضِّيْفَانِ فَاِنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ يَسْقُطَ عَنْكِ خِمَارُكِ اَوْ يَنْكَشِفَ الثَّوْبُ عَنْ سَاقَيْكِ فَيَرَى الْقَوْمُ مِنْكِ بَعْضَ مَا تَكْرَهِيْنَ وَلٰكِنِ انْتَقِلِيْ اِلَى ابْنِ عَمِّكِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ))(١٥٧)

''فاطمہ بنت قیس ؓ سے روایت ہے کہ ابوعمرو بن حفص نے انہیں طلاق بتہ دی اور غائب ہو گئے...... حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا...... تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اُمّ شریک کے گھر میں عدت گزاریں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''اُمِ شریک کے ہاں میرے کافی صحابہؓ کا آنا جانا ہوتا ہے' اس لیے تم ابن اُم مکتوم کے ہاں عدت گزار لو' کیونکہ وہ ایک نابینا آدمی ہیں' لہٰذا تم اپنے (اضافی) کپڑے وہاں اتار کر رکھ سکتی ہو''۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اُمّ شریک کے ہاں منتقل ہو جاؤ۔ اور اُمّ شریک انصار کی ایک مالدار خاتون ہیں' اللہ کے راستے میں بہت زیادہ خرچ کرنے والی ہیں' ان کے ہاں مہمانوں کی کثرت سے آمد ورفت رہتی ہے''۔ تو میں نے کہا کہ میں ایسا ہی کروں گی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ''تو ایسا مت کر! کیونکہ اُمّ شریک کے ہاں مہمان کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں' اس لیے میں پسند نہیں کرتا کہ تیری چادر گر جائے

یا کپڑا تیری پنڈلیوں سے کھل جائے اور لوگ تیرے جسم کا وہ حصہ دیکھیں کہ جس کا دیکھنا تجھے بھی ناپسند ہو۔ بلکہ تو ابن اُم مکتوم کے ہاں منتقل ہو جا جو کہ تیرے چچا کے بیٹے ہیں۔''

یہ حدیث بالکل بھی اس معاملے میں واضح نہیں ہے کہ اس میں فاطمہ بنت قیسؓ کا چہرہ کھلنے کا تذکرہ ہوا ہے۔ زیادہ سے زیادہ بات جو آپؐ نے کی ہے وہ یہ کہ ''اَنْ یَّسْقُطَ خِمَارُكِ'' ''کہ تیری چادر گر جائے''۔ اب یہ چادر چہرے سے گرنے کا تذکرہ ہے یا سر سے' اس بارے میں حدیث خاموش ہے' لہٰذا چادر گرنے سے سر سے چادر گرانا مراد لینا درست نہیں ہے۔

علامہ البانی کا استدلال: علامہ البانی نے اس حدیث سے ان الفاظ میں استدلال کیا ہے:

ووجه دلالة الحديث على ان الوجه ليس بعورة ظاهر' وذلك لان النبي ﷺ اقر ابنة قيس على ان يراها الرجال وعليها الخمار۔ وهو غطاء الرأس ' فدل هذا على ان الوجه منها ليس بالواجب ستره كما يجب ستر رأسها

''اس حدیث کی اس بات پر دلالت کہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے' واضح ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے فاطمہ بنت قیسؓ کو یہ بات سمجھائی کہ اس کو مرد اس حال میں دیکھیں جبکہ اس نے خمار (چادر) اوڑھی ہو اور ''خمار'' سر کو ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے جیسا کہ سر ستر میں داخل ہے''۔

علامہ البانی کے استدلال کی کمزوری: علامہ البانی کا یہ استدلال انتہائی کمزور ہے۔ علامہ البانی کا یہ دعویٰ کرنا کہ خمار سر کو اوڑھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے' غلط ہے۔ اس غلطی کی درج ذیل وجوہات ہیں:

۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر لغت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''جلباب'' یا ''خمار'' کے الفاظ سر کی چادر کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو اس سے اس بات کی نفی کیسے ہو جاتی ہے کہ اب یہ چادر چہرہ چھپانے کے لیے استعمال نہیں کی جا سکتی؟ کیا دورِ جاہلیت میں کوئی ایسا قانون لاگو تھا کہ جس کے مطابق ''جلباب'' یا ''خمار'' وغیرہ کو سر ڈھانپنے کے لیے تو استعمال کیا جا سکتا تھا لیکن چہرہ ڈھانپنے کے لیے نہیں؟ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ ''جلباب'' اور

''خمار'' سر ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتا تھا تو اس سے اس بات کی نفی کہاں سے ہوتی ہے کہ ان سے چہرہ نہیں ڈھانپا جا سکتا؟ جبکہ آج کل کے زمانے میں پردہ دار خواتین گھر میں کسی نامحرم کی آمد پر اپنے سر پر اوڑھی ہوئی چادر سے اپنا چہرہ چھپا لیتی ہیں۔ بعض اوقات یہ چادر دوپٹہ کی صورت میں ہوتی ہے۔

۲) دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ جس طرح ہم نے ''جلباب'' کے بارے میں بخاری اور ابوداؤد کی روایت سے ثابت کیا کہ مسلمان عورتیں ''جلباب'' کو اپنا چہرہ چھپانے کے لیے استعمال کرتی تھیں' اسی طرح ''خمار'' کے بارے میں بھی ہمیں ایسی روایات ملتی ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں ''خمار'' کو اپنا چہرہ چھپانے کے لیے استعمال کرتی تھیں۔

(ا) حضرت فاطمہ بنت منذرؒ بیان کرتی ہیں:

كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوْهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ (۱۵۸)

''ہم اپنے چہروں کو خمار (چادر) سے ڈھانپتی تھیں اس حال میں کہ ہم حالتِ احرام میں ہوتیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ہمارے ساتھ ہوتی تھیں''۔

ب) اسماعیل بن ابی خالد اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

كنا ندخل على اُم المؤمنين يوم التروية فقلت لها يا ام المؤمنين هنا امرأة تأبى ان تغطى وجهها وهى محرمة فرفعت عائشة خمارها من صدرها فغطت به وجهها (۱۵۹)

''ہم ۸ ذی الحجہ کو اُمّ المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو میں نے کہا اے اُمّ المؤمنین! یہاں ایک عورت ایسی ہے جو کہ حالت احرام میں اپنے چہرے کو چھپانے سے انکار کرتی ہے تو حضرت عائشہؓ نے اس کا خمار (چادر) اس کے سینے سے اٹھایا اور اس سے اس کا چہرہ ڈھانپ دیا''۔

وہ عورت حالت احرام میں چہرہ ڈھانپنے کو اللہ کے رسول ﷺ کے بعض فرامین کی وجہ سے ناجائز سمجھ رہی تھی' جبکہ حضرت عائشہؓ نے اس کا چہرہ ڈھانپ کر اسے یہ بتلایا کہ حالتِ احرام میں چہرہ ڈھانپا جا سکتا ہے۔

۳) خود علامہ البانی نے بھی ''حجاب المرأة المسلمة'' میں آگے چل کر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ خمار چہرے کو ڈھانپنے کے لیے بھی بعض اوقات استعمال ہو جاتا تھا۔ علامہ

البانی ایک شعر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قل لله ملیحة فی الخمار المذهب
افسدت ، نسك اخی التقی المذهب
نور الخمار ونور خدك تحته
عجبا لوجهك كيف لم يتلهب

فقد وصفها بان خمارها کان علی وجهها ایضاً (۱۶۰)

''تو ملیحہ سے جا کر کہہ دے کہ تو نے اپنے سنہری خمار (چادر) کی وجہ سے میرے درویش صفت بھائی کے تقویٰ اور مذہب کو خراب کر دیا ہے۔ خمار (چادر) کا نور اور پھر اُس کے نیچے تیرے رخساروں کا نور ہے۔ مجھے تیرے چہرے پر تعجب ہے کہ وہ (اتنے نور کے باوجود) ابھی تک شعلہ کیوں نہیں مار رہا! شاعر نے اپنی محبوبہ کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ اُس کا خمار اُس کے چہرے پر بھی تھا۔'' علامہ البانی کا کلام ختم ہوا۔

محل استشہاد ''نور الخمار ونور خدك تحته'' ہے۔

چھٹی دلیل:

''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد عورت کا ہاتھ اور چہرہ ہے۔ اس قول پر تفصیلی بحث ہم سورۃ النور کی آیت ۳۱ کی وضاحت میں کر چکے ہیں کہ:

ا) ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

ب) اگر یہ صحیح سند سے ثابت ہو بھی جائے تو اس سے مراد ہوا یا کسی حرکت کی وجہ سے کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے چہرے کا کھل جانا ہے۔

ج) یا اس سے مراد کسی ضرورت کے تحت (مثلاً طبیب یا گواہی وغیرہ کے لیے) چہرے کا کھولنا ہے۔

د) یا اس سے مراد اضطراری حالت (مثلاً جنگ یا خوف وغیرہ کی کیفیت) میں چہرے کا کھولنا ہے۔ جیسا کہ مشہور مفسر ابن عطیہ نے ''اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی یہی تفسیر بیان کی ہے اور علامہ قرطبی نے بھی اس تفسیر کو حسن کہا ہے۔

چہرے کا پردہ آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ کی روشنی میں

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے زمانے اور اپنے بعد آنے والے دو زمانوں کو

''خیر القرون'' میں شمار کیا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

((خَيْرُكُمْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) (۱۶۱)

''تم میں سب سے بہتر میرا زمانہ ہے' پھر وہ لوگ جو کہ ان سے ملے ہوئے ہوں' پھر وہ لوگ جو اُن سے ملے ہوئے ہوں''۔

یعنی اللہ کے رسول ﷺ کا زمانہ' پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ اور پھر تابعینؒ کا زمانہ ''خیر القرون'' میں سے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں عورتیں چہرے کا پردہ کرتی تھیں' جیسا کہ احادیث مبارکہ کے بیان میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعین کے زمانے میں بھی مسلمان خواتین چہرے کو چھپا کر رکھتی تھیں' جیسا کہ مذکورہ آثار سے اس بات کی تائید ہو رہی ہے۔ یہ پردہ خیر القرون سے نسل در نسل تواترِ عملی کے ساتھ اُمت مسلمہ میں منتقل ہوا ہے اور آج بھی اُمت مسلمہ میں مسلم خواتین کی ایک بڑی تعداد شریعت کے اس حکم پر کاربند ہے۔ ذیل میں ہم آثارِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں چہرے کے پردے کو بیان کر رہے ہیں کہ صحابہ اور تابعین نے قرآن و سنت کی نصوص سے کیا سمجھا تھا۔

۱) عن فاطمة بنت المنذر انها قالت: كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوْهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِيْقِ (۱۶۲)

''حضرت فاطمہ بنت منذرؒ سے روایت ہے کہ ہم حالتِ احرام میں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیتی تھیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ہمارے ساتھ ہوتی تھیں۔''

یہ روایت صحیح ہے۔ علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

۲) عن يعقوب قال حدثنا ابن علية عن ابن عون عن محمد عن عبيدة في قوله تعالىٰ: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ فلبسها عندنا ابن عون قال ولبسها عندنا محمد قال محمد ولبسها عندي عبيدة قال ابن عون بردائه فتقنع به فغطى انفه وعينه اليسرى واخرج عينه اليمنى واوخى رداءه من فوق حتى جعله قريبا من حاجبه او على الحاجب (۱۶۳)

''یعقوب کہتے ہیں ہم سے ابن علیہ نے بیان کیا' وہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن عون اور وہ آگے محمد بن سیرین سے اور وہ عبیدہ السلمانی سے بیان کرتے ہیں کہ ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ کی تفسیر کرتے

ہوئے ابن عون نے جلباب (چادر) کو اوڑھ کر دکھایا۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میرے سامنے محمد بن سیرین نے چادر کو اس طرح اوڑھا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میرے سامنے عبیدہ السلمانی نے چادر کو اوڑھا۔ ابن علیہ نے کہا کہ ابن عون نے اپنی چادر لے کر اس کو اچھی طرح اوڑھ لیا' اپنی ناک اور بائیں آنکھ بھی چھپالی اور دائیں آنکھ کو کھلا رکھا اور اپنی چادر کو اوپر سے نیچے کیا یہاں تک کہ اوپر سے چادر کو اپنی ابرو تک پہنچایا اور ابرو کو بھی چھپا لیا۔'' یہ روایت صحیح ہے۔ علامہ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اس پر مفصل بحث ہم آگے چل کر کریں گے۔

۳) **عن انس قال رای عمر امة لنا متقنعة فضر بها وقال لا تشبهی بالحرائر**(۱۶۴)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہماری ایک لونڈی کو دیکھا جس نے چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو مارا اور اسے حکم دیا کہ آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔'' یہ روایت صحیح ہے۔ علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

٤) **روی ابن عیینة عن اسماعیل بن ابی خالد قال اخبرتنی امی واختی انهما دخلتا علی عائشة ام المؤمنین فسألتا ها کیف تخمر المرأة وجهها فاخذت اسفل خمارها فغطت به وجهها**(۱۶۵)

''ابن عیینہ اسماعیل بن ابی خالد سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے میری ماں اور بہن نے خبر دی کہ وہ دونوں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور ان سے سوال کیا کہ عورت اپنے چہرے کو کیسے ڈھانپے؟ تو حضرت عائشہؓ نے ان کی چادر کا نچلا حصہ پکڑا اور اس کے ساتھ ان کے چہرے کو ڈھانپ دیا''۔

۵) اسماعیل بن ابی خالد اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

کنا ندخل علی اُم المؤمنین یوم التروية فقلت لها یا اُم المؤمنین هنا امرأة تأبی ان تغطی وجهها وهی محرمة فرفعت عائشة خمارها من صدرها فغطت به وجهها(۱۶۶)

''ہم (خواتین) ۸ ذی الحجہ کو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس آتی تھیں تو میں نے کہا اے اُمّ المؤمنین! یہاں ایک عورت ہے جو کہ اس بات سے انکاری ہے کہ حالتِ احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپے' تو حضرت عائشہؓ نے اس کی چادر اس کے سینے سے اٹھائی اور اس کے ساتھ اس کے چہرے کو ڈھانپ دیا''۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے آثار صحابہؓ و تابعینؒ سے ملتے ہیں' لیکن طوالت کے خوف سے ہم

ان کا ذکر نہیں کر رہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جس نے ماننا ہو اُس کے لیے ایک ہی دلیل کافی ہے اور جس نے نہ ماننا ہو اُس کے لیے دلائل کا انبار بھی کم ہے۔

چہرے کا پردہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں

علمائے سلف نے اپنے ادوار میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف شرعی مسائل میں اپنی آراء کا اظہار کیا۔ علمائے متقدمین کی یہ آراء اگرچہ ہمارے لیے حجت تو نہیں ہیں' کیونکہ اصل حجت تا قیامت صرف قرآن وسنت ہیں' لیکن قرآن وسنت کی نصوص سے استنباط کرتے وقت متقدمین علمائے سلف کی آراء کو پیش نظر رکھنا اور ان سے استفادہ کرنا اہل سنت کا منہج ہے۔ علاوہ ازیں ہم اس بحث میں اس دعویٰ کی حقیقت بھی قارئین کے سامنے کھول دینا چاہتے ہیں جو کہ بعض متجددین کی طرف سے ہمارے سامنے آیا کہ ''سلف میں کوئی بھی چہرے کے پردے کے وجوب کا قائل نہیں رہا' بلکہ تمام کے تمام سلف بشمول ابن تیمیہؒ کے چہرے کے پردے کو ''بہتر'' قرار دیتے ہیں لیکن اس کو واجب نہیں سمجھتے اور چہرے کے پردے کے وجوب کا قول عصرِ حاضر میں مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی طرف سے پہلی مرتبہ پیش ہوا''۔ اس بحث میں ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر مذہب کے اصل مصادر سے ان کا موقف سامنے آئے۔

۱) احناف اور چہرے کا پردہ

چونکہ ہمارے ہاں برعظیم پاک وہند میں احناف کی اکثریت ہے اس لیے ہم ان کا موقف سب سے پہلے اور قدرے تفصیل سے پیش کر رہے ہیں' کیونکہ منکرین حجاب عموماً اپنا موقف بیان کرتے وقت اس بات کی رٹ لگا لیتے ہیں کہ احناف کا بھی وہی موقف ہے جو کہ ہمارا موقف ہے' حالانکہ ان کے اور احناف کے موقف میں بعض اوقات زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ احناف کے موقف کو سمجھنے کے لیے ہم نے آسانی کی خاطر اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا) فتنے کی غیر موجودگی میں احناف کا موقف:

فتنے کی غیر موجودگی میں متقدمین ومتاخرین احناف کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے۔ ان کے نزدیک عورت کو چونکہ خرید وفروخت' شہادت اور بعض دوسرے

ضروری معاملات کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے لہٰذا چہرہ ڈھانپنے میں ایک سخت مشقت ہے اس لیے یہ حضرات چہرے کو عورت کے ستر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

i) کنز الدقائق میں ہے:

بدن الحرة عورة الا وجهها وكفيها وقدميها (۱۶۷)

''آزاد عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے اس کے چہرے' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے''۔

ii) ''الہدایہ'' میں ہے:

وبدن الحرة كلها عورة الا وجهها وكفيها (۱۶۸)

''اور آزاد عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے''۔

iii) ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

فلا يحل النظر للاجنبي من الاجنبية الحرة الى سائر بدنها الا الوجه والكفين

''کسی اجنبی مرد کے لیے کسی اجنبی آزاد عورت کے سارے جسم کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے''۔

iv) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

بدن الحرة عورة الا وجهها وكفيها وقدميها كذا في المتون (۱۶۹)

''آزاد عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے اس کے چہرے' اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے''۔

v) امام ابوبکر الجصاص ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

ويدل على ان الوجه والكفين من المرأة ليسا بعورة (۱۷۰)

''اور یہ آیت اس بات پر بھی دلیل ہے کہ عورت کا چہرہ اور دونوں ہاتھ ستر میں داخل نہیں ہیں''۔

ب) فتنے کی موجودگی میں احناف کا موقف:

فتنے کی موجودگی میں متقدمین و متاخرینِ احناف کے نزدیک چہرے کا پردہ واجب ہے۔

i) امام ابوبکر الجصاص ﴿يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ کی تشریح میں فرماتے ہیں:

فی هذه الآیة دلالة علی ان المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الاجنبیین واظهار الستر والعفاف عند الخروج لئلا یطمع اهل الریب فیهن وفیها دلالة علی ان الامة لیس علیها بستر وجهها وشعرها لان قوله تعالی ﴿وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ظاهره انه اراد الحرائر(۱۷۱)

''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نوجوان عورت کو اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلتے وقت اپنے جسم کو چھپائے اور اپنی پاکیزگی کا اظہار کرے تاکہ منافقین اس کے بارے میں کسی قسم کے لالچ میں مبتلا نہ ہوں۔ اور اس آیت میں اس بات کی طرف بھی رہنمائی موجود ہے کہ لونڈی کے لیے اپنے چہرے اور بالوں کا ڈھانپنا لازمی نہیں ہے' کیونکہ ''نساءُ المؤمنین'' کے ظاہر سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی مراد یہاں آزاد عورتیں ہیں''۔

ii) امام شرنبلالی لکھتے ہیں:

(وجمیع بدن المرأة) ای جسدها (الا وجهها) ومنع الشابة من کشفه لخوف الفتنة لا لانه عورة(۱۷۲)

''اور عورت کا تمام جسم سوائے اس کے چہرے کے ستر میں داخل ہے۔ فتنے کے خوف سے نوجوان عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا گیا نہ کہ اس (چہرے) کے ستر میں داخل ہونے کی وجہ سے''۔

iii) خاتمة المحققین امام ابن عابدین لکھتے ہیں:

(وتمنع) المرأة الشابة (من کشف الوجه بین الرجال) لا لانه عورة بل لخوف الفتنة(۱۷۳)

''نوجوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھلا رکھنے سے منع کیا جائے گا' اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ عورت کے ستر میں داخل ہے' بلکہ فتنے کے ڈر سے ایسا کیا جائے گا''۔

iv) علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

قال مشائخنا تمنع المرأة الشابة من کشف وجهها بین الرجال فی زماننا للفتنة(۱۷۴)

''ہمارے مشائخ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نوجوان عورت کو ہمارے زمانے میں فتنے کے

ڈر سے مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا''۔

v) امام علاؤالدین الحصکفی فرماتے ہیں:

ولذا تمنع من کشف وجهها بین الرجال للفتنة(۱۷۵)

''اسی لیے عورت کو مردوں کے درمیان فتنے کی وجہ سے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا''۔

vi) امام عبدالرحمٰن الکلیوبی لکھتے ہیں:

وفی المنتقی تمنع الشابة عن کشف وجهها لئلا یؤدی الی الفتنة وفی زماننا المنع واجب بل فرض لغلبة الفساد وعن عائشة عنها جمیع بدن الحرة عورة الا احدی عینیها(۱۷۶)

''منتقی میں ہے کہ عورت کو چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا' کیونکہ یہ فعل فتنے کا سبب ہے اور ہمارے زمانے میں عورت کو چہرہ کھولنے سے روکنا واجب بلکہ فرض ہے' کیونکہ فساد بہت بڑھ گیا ہے۔ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ عورت کا تمام جسم ستر ہے سوائے اس کی ایک آنکھ کے۔''

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین احناف کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے' یعنی اگر لذت اور شہوت نہ ہو تو عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے' لیکن اگر فتنے کا خوف ہو تو چہرے کا پردہ واجب ہے۔ گویا کہ احناف شرعاً پردے کو واجب قرار نہیں دیتے بلکہ سدًّا للذریعة واجب قرار دیتے ہیں۔ معاصرین علمائے احناف میں بھی تقریباً سب ہی موجودہ زمانے میں فتنے وفساد کے بڑھ جانے کی وجہ سے چہرے کے پردے کے وجوب کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں برعظیم پاک و ہند میں احناف کے دو بڑے گروہ پائے جاتے ہیں: علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی۔ علمائے دیوبند میں سے مفتی شفیع صاحب' دارالعلوم کراچی اور شیخ الحدیث ادریس کاندھلوی صاحب' جامعہ اشرفیہ لاہور کی آراء ہم ان کی تفاسیر کی روشنی میں مضمون کے شروع میں نقل کر چکے ہیں۔ اسی طرح بریلوی مکتب فکر کے چوٹی کے عالم پیر کرم شاہ صاحب کی رائے بھی ہم نے نقل کر دی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ برعظیم پاک و ہند کے علمائے احناف فی زمانہ فتنے وفساد کے بڑھ جانے کی وجہ سے چہرے کے پردے کا فتویٰ جاری کرتے ہیں۔

مالکیہ اور چہرے کا پردہ

متقدمین و متاخرین علماء مالکیہ کے نزدیک چہرے کا پردہ واجب ہے' لیکن وجوب کے

سبب میں اختلاف ہے۔ بعض مالکیہ کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے لہٰذا اس پر چہرے کا پردہ شرعاً تو واجب نہیں ہے لیکن فتنے کی موجودگی میں واجب ہوگا' جبکہ بعض مالکیہ کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل ہے لہٰذا اس کا پردہ شرعاً واجب ہے۔

ل) چہرے کے پردے کا وجوب فتنے کے سبب سے:

بعض مالکیہ کے نزدیک چہرہ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی یہی موقف ہے لیکن مالکیہ فتنے کے سبب سے چہرے کے پردے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

i) امام مالک نے اپنی کتاب ''موطا'' میں ایک حدیث نقل کی ہے:

عن مالك عن هشام بن عروة عن فاطمة بنت المنذر انها قالت: كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوْهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ(۱۷۷)

اس حدیث کی شرح میں مشہور مالکی عالم امام زرقانی فرماتے ہیں:

لانه يجوز للمرأة المحرمة ستر وجهها بقصد الستر عن اعين الناس بل يجب ان علمت او ظنت الفتنة بها او ينظر لها بقصد اللذة(۱۷۸)

''حالت احرام میں عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا جائز ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی آنکھوں سے بچا سکے۔ اگر اسے فتنے کا علم یا گمان ہو یا شہوت کی وجہ سے اس کی طرف دیکھے جانے کا گمان ہو تو اس پر چہرے کا پردہ واجب ہو جاتا ہے''۔

ii) امام ابوالبرکات الدردیر المالکی فرماتے ہیں:

(و) عورة المرأة (مع رجل اجنبی) منها ای ليس بمحرم لها جميع البدن (غير الوجه والكفين) واما هی فليس بعورة وان وجب عليها سترهما لخوف فتنة(۱۷۹)

''اور عورت کا ستر اجنبی مرد کے سامنے جو کہ محرم نہیں ہے' پورا جسم ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے اور یہ دونوں عورت کا ستر نہیں ہیں' لیکن عورت کے لیے ان کو فتنے کے خوف سے چھپانا واجب ہے۔''

iii) امام محمد بن احمد الدسوقی المالکی فرماتے ہیں:

(غير الوجه والكفين) اى واماهما فغير عورة يجوز النظر اليهما ولا فرق بين ظاهر الكفين وباطنهما بشرط ان لا يخشى بالنظر لذلك فتنة وان يكون النظر بغير قصد لذة والاحرام النظر اليهما وهل يجب عليها حينئذ ستر وجهها ويديها وهو الذى لابن مرزوق قائلا انه مشهور المذهب اولا يجب عليها ذلك وانما على الرجل غض بصره وهو مقتضى نقل المواق عن عياض (۱۸۰)

''(سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے) اس سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں اور ان کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے۔ ہاتھوں کے ظاہر اور باطن (باہر اور اندر والے حصے) میں کوئی فرق نہیں ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ اس دیکھنے سے فتنہ پیدا نہ ہو اور یہ دیکھنا بغیر لذت کے ہو۔ اگر یہ دو شرطیں نہ ہوں گی تو یہ دیکھنا حرام ہوگا۔ لیکن کیا ان دو شرائط کی عدم موجودگی میں عورت پر اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ڈھانپنا واجب ہوگا؟ یا اس عورت پر اپنے چہرے اور ہاتھوں کا ڈھانپنا واجب نہ ہوگا' بلکہ مرد کے لیے واجب ہے کہ وہ اپنی نگاہوں کو دبا کر رکھے؟ مرزوق کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں عورت کے لیے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا چھپانا واجب ہے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ دوسرا موقف قاضی عیاض کا ہے''۔

iv) شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی لکھتے ہیں:

(غير الوجه والكفين) اى فيجوز النظر لهما لا فرق بين ظاهرهما وباطنهما بغير قصد لذة ولا وجدانها والا حرام وهل يجب عليها حينئذ ستروجهها ويديها وهو الذى لابن مرزوق قائلا انه مشهور المذهب اولا يجب عليها ذلك وانما على الرجل غض بصره وهو مقتضى نقل المواق عن عياض (۱۸۱)

''(سوائے ہاتھوں اور چہرے کے) مراد یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اور ہاتھوں کے ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہیں ہے' لیکن یہ دیکھنا بغیر کسی لذت کے ہو' اگر کسی لذت کے ساتھ ہوگا تو حرام ہوگا۔ تو کیا ایسی صورت حال میں عورت کے لیے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا پردہ واجب ہوگا یا نہیں؟ ابن مرزوق نے کہا ایسی

صورت میں عورت کے لیے اپنے ہاتھوں اور چہرے کا پردہ واجب ہوگا اور اس کے بارے میں کہا کہ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ جبکہ قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ عورت پر ایسی صورت میں پردہ واجب نہ ہوگا' بلکہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ غض بصر سے کام لے''۔

v) علامہ احمد بن احمد المختار الشنقیطی المالکی لکھتے ہیں:

وحرة مع اجنبی غیر الوجه والکفین غیر انه قد یفتی المنصف بان المرأة الفاتنة قد یجب علیها ستر وجهها لفساد اهل الیوم (۱۸۲)

''اور آزاد عورت کا اجنبی مرد کے سامنے ستر چہرے اور دونوں ہاتھوں کے علاوہ سارا جسم ہے' لیکن انصاف پسند مفتی آج کل کے زمانے میں فساد بڑھ جانے کی وجہ سے فتنہ پیدا کرنے والی عورت کے بارے میں یہ فتویٰ دے گا کہ اس کے لیے اپنے چہرے کو ڈھانپنا واجب ہے''۔

vi) خطیب شربینی لکھتے ہیں:

والکفان لیسا عورة فیجوز لها کشفهما للاجنبی وله نظرهما ان لم تخش الفتنة فان خیفت الفتنة فقال ابن مرزوق مشهور المذهب وجوب سترهما وقال عیاض لا یجب سترهما ویجب غض البصر عن الرؤیة(۱۸۳)

''اور دونوں ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں ہیں۔ عورت کے لیے اجنبی مرد کے سامنے ہاتھوں کا کھولنا جائز ہے اور مرد کے لیے ان کی طرف دیکھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو ابن مرزوق کا کہنا ہے کہ ان دونوں ہاتھوں کو بھی ڈھانپا جائے گا اور یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے جبکہ قاضی عیاض کا کہنا یہ ہے کہ عورت کے لیے ان کو ڈھانپنا واجب نہیں بلکہ مرد کے لیے ضروری ہے کہ غض بصر سے کام لے''۔

ب) چہرے کے پردے کا وجوب ستر کے سبب سے:

بعض مالکیہ عورت کے چہرے کو بھی اس کے ستر میں داخل کرتے ہیں اور اس کو ڈھانپنا واجب قرار دیتے ہیں۔

i) امام مالک سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے۔

ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ میں ''وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقيل يجوز النظر لغير شهوة الى وجهها ويديها وهو مذهب ابى حنيفة والشافعي وقول فى مذهب احمد وقيل لا يجوز وهو ظاهر مذهب احمد فان كل شئ منها عورة حتى ظفرها وهو قول مالك(۱۸٤)

''ایک رائے یہ ہے کہ عورت کے چہرے اور دونوں ہاتھوں کی طرف بغیر شہوت کے دیکھنا جائز ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک قول ایسا ہی مروی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ جائز نہیں اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے' کیونکہ ان کے نزدیک عورت کی ہر چیز ستر میں داخل ہے' یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی' اور یہی رائے امام مالک کی بھی ہے''۔

ii) امام قرطبیؒ ''فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فى هذه الآية دليل على ان الله تعالى اذن فى مسألتهن من وراء حجاب فى حاجة تعرض او مسألة يستفتين بها ويدخل فى ذلك جميع النساء بالمعنى وبما تضمنة اصول الشريعة من ان المرأة كلها عورة بدنها وصوتها كما تقدم فلا يجوز كشف ذلك الا لحاجة كالشهادة عليها او داء يكون ببدنها(۱۸۵)

''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حجاب کے پیچھے سے کسی ضرورت یا مسئلے کے تحت سوال کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کو معنوی طور پر شامل ہے' کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ عورت تمام کی تمام ستر ہے یہاں تک کہ اس کا سارا جسم اور آواز بھی ستر میں داخل ہے۔ جیسا کہ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے اس لیے عورت کے لیے اپنے جسم کے کسی حصے کو بغیر کسی ضرورت کے کھولنا جائز نہیں ہے۔ ضرورت سے مراد عورت کے خلاف گواہی ہے یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہے۔''

iii) امام ابن العربیؒ ''فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمرأة كلها عورة بدنها وصوتها فلا يجوز كشف ذلك الا لضرورة او لحاجة كالشهادة عليها اوداء يكون ببدنها (۱۸٦)

''اور عورت تمام کی تمام ستر ہے' اس کا سارا جسم اور آواز بھی ستر میں داخل ہے' لہٰذا عورت کے لیے اپنے جسم کے کسی حصے کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے' ہاں ضرورت یا حاجت کے پیش نظر وہ ایسا کر سکتی ہے' مثلاً اگر عورت کے خلاف گواہی دینا مقصود ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو وغیرہ (تو وہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو اجنبی مرد کے سامنے کھول سکتی ہے)۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین مالکیہ کے نزدیک چہرے کا پردہ واجب ہے' سوائے قاضی عیاض کے' جو کہ چہرے کے پردے کو واجب قرار نہیں دیتے۔ بعض مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے' فتنے کی وجہ سے عورت کو چہرے کے چھپانے کا حکم دیا جائے گا' جبکہ بعض مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل ہے اور ستر میں ہونے کی وجہ سے عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا لازم ہے۔

حواشی

۱۵۱) سنن ابی داوٗد' کتاب اللباس' باب فیما تبدی المرأة من زینتها۔

۱۵۲) سنن ابی داوٗد' کتاب اللباس' باب فیما تبدی المرأة من زینتها۔

۱۵۳) تهذیب الکمال' امام ترمزی' جلد٤' ص ۱۰۔

۱۵٤) اتحاف ذوی الرسوخ لمن رمی بالتدلیس من الشیوخ' شیخ حماد بن محمد الانصاری' ص ٤۲۔

۱۵۵) اتحاف ذوی الرسوخ لمن رمی بالتدلیس من الشیوخ' شیخ حماد بن محمد الانصاری' ص ٥٤۔

۱۵٦) صحیح مسلم' کتاب الطلاق' باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها۔

۱۵۷) صحیح مسلم' کتاب الفتن و اشراط الساعة' باب قصة الجساسة۔

۱۵۸) مؤطا امام مالك' کتاب الحج' باب و انما یعمل الرجل مادام حیا فاذا مات فقد انقضی۔

۱۵۹) التلخیص الحبیر' ابن حجر عسقلانی' جلد۲' ص ۲۷۲۔

۱٦۰) حجاب المرأة المسلمة' علامه البانی' ص ۳۳۔

۱٦۱) صحیح البخاری' کتاب الشهادات' باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد۔

۱٦۲) موطا امام مالك' کتاب الحج' باب و انما یعمل الرجل مادام حیا فاذا مات فقد انقضی۔

۱٦۳) تفسیر طبری' ابن جریر طبری' جلد ۱۰' ص ۳۳۲' دار الکتب العلمیة' بیروت۔

۱٦٤) مصنف ابن ابی شیبة' کتاب صلاة التطوع والامامة' باب فی الامة تعلی لغیر الخمار۔

۱٦٥) الاستذکار' ابن عبدالبر' جلد۱۱' ص ٤۸۔

۱٦٦) التلخیص الحبیر' ابن حجر عسقلانی' جلد۲' ص ۲۷۲ المدینة المنورة۔

۱۶۷) کنز الدقائق' ص ۲۸' ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔
۱۶۸) برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی' الہدایۃ' جلد۱' ص ۲۵۸۔
۱۶۹) الفتاوی الہندیۃ' جماعۃ من علماء الہند' جلد۱' ص ۵۸' مکتبۃ ساجدیۃ' کوئٹہ۔
۱۷۰) احکام القرآن' ابوبکر الجصاص' جلد۳' ص ۳۱۵' دارالکتب بالعربی بیروت۔
۱۷۱) احکام القرآن' ابوبکر الجصاص' جلد۳' ص ۲۷۲۔
۱۷۲) مراقی الفلاح فی شرح متن نورالایضاح' حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی' ص ۱۳۱' مکتبہ کارخانہ تجارت کتب' آرام باغ کراچی۔
۱۷۳) محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی' رد المحتار علی در المختار' جلد۲' ص ۷۲' دار احیاء التراث العربی۔
۱۷۴) البحر الرائق شرح کنز الدقائق' زین الدین ابن نجیم الحنفی' جلد۱' ص ۲۸۴' دار المعرفۃ بیروت۔
۱۷۵) الدر المنتقی فی شرح المتقی' علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد العینی الحکنی' جلد۱' ص ۱۲۱' دار الکتب العلمیۃ' بیروت۔
۱۷۶) مجمع الانہر' عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان الکلیبولی' جلد۱' ص ۲۲۱' دار الکتب العلمیۃ۔
۱۷۷) موطا امام مالک' کتاب الحج' باب وانما یعمل الرجل مادام حیا فاذا مات فقد انقضی۔
۱۷۸) شرح موطا امام مالک' ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی' جلد۳' ص ۲۱' مصطفی البابی الحلبی مصر۔
۱۷۹) ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر' الشرح الصغیر' جلد۱' ص ۴۰۰'۴۰۱' مکتبہ عیسی البابی الحلبی' مصر۔
۱۸۰) حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر محمد بن احمد الدسوقی المالکی' جلد۱' ص ۳۴۵' دارالکتب العلمیۃ' بیروت۔
۱۸۱) حاشیہ الصاوی علی الشرح الکبیر' شیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی' جلد۱' ص ۴۰۱' وطبعۃ عیسی البالی الحلبی۔
۱۸۲) مواہب الجلیل من ادلۃ الخلیل' احمد بن محمد المختار الشنقیطی' جلد۱' ص ۱۴۸۔
۱۸۳) مغنی المحتاج' شمس الدین محمد بن الخطیب الشربینی' جلد۱' ص ۲۸۵' دارالمعرفۃ بیروت۔
۱۸۴) مجموع فتاوی ابن تیمیہ' شیخ الاسلام ابن تیمیہ' جلد۲۲' ص ۱۰۹'۱۱۰۔
۱۸۵) الجامع لاحکام القرآن' امام محمد بن احمد القرطبی' جلد۱۴' ص ۲۲۷' احیاء التراث العربی' بیروت۔
۱۸۶) احکام القرآن' ابن العربی' جلد۳' ص ۱۵۷۹' دار المعرفۃ بیروت۔

بقیہ: شَجَرَةٌ مِّنْ يَّقْطِيْنٍ

ایسا ہے جو ابھی تک نظروں کے سامنے نہیں آ سکا۔ مجھے جب خود اس قسم کا کوئی نکتہ ہاتھ آ جاتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مرتبہ قرآن پڑھ چکا ہوں' یہ معمولی سی بات پہلے کیوں سمجھ میں نہیں آئی' مگر جب اکبر الٰہ آبادی مرحوم کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ ؎

ذہن میں جو گھر گیا' لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا!

تو دل پکار اٹھتا ہے کہ قرآن اسی ہستی کا تو کلام ہے۔ اس کو تو لوگ قیامت تک اسی طرح سمجھنے کی کوشش میں لگے رہیں گے اور کُل نکات کو اُس وقت تک بھی حل نہ کر سکیں گے۔ oo

ہماری ویب سائٹ

www.taznzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمہ قرآن
☆ بانیٔ تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے متفرق خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو' ویڈیو کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

تعارف وتبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : الفرقان (پارہ عَمّ)

مؤلف : شیخ عمر فاروق

ضخامت : 632 صفحات ۔ 30x20/8۔ قیمت: الوقف للہ

ملنے کا پتہ: جامعہ تدبر القرآن' 15۔بی' وحدت کالونی لاہور۔فون:7585960

شیخ عمر فاروق عمر رسیدہ' ضعیف اور دبلے پتلے آدمی ہیں لیکن مضبوط ارادے' پختہ عزم اور جوان ہمت کے مالک ہیں۔ وہ سنجیدہ مزاج اور خوش خصال عالم دین ہیں۔ دین اسلام کی اشاعت اُن کا واحد مشغلہ ہے۔ عربی' فارسی' اردو اور انگریزی زبانیں جانتے ہیں۔ زندگی درس و تدریس میں گزاری ہے۔

شیخ صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ الفرقان (پارہ عَمّ) سے قبل الفرقان الجزء الاول کے نام سے سورۃ البقرۃ اور پھر احادیث نبویؐ کا انتخاب ''الحکمة'' کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ یہ دونوں ضخیم کتابیں بھی انہوں نے ہدیۃً تقسیم کی ہیں۔ اب الفرقان (پارہ عَمّ) زرِ کثیر خرچ کر کے شائع کی ہے۔

یہ منفرد قسم کی تفسیر ہے جو بہت سی قدیم و جدید' معروف و مشہور عربی اور اردو تفاسیر کا نچوڑ ہے۔ پہلے آیات کا بامحاورہ ترجمہ' پھر الفاظ کے معانی اور قواعد کی تشریح سے مطلب واضح کیا گیا ہے۔ پھر مختلف تفاسیر کے اقتباسات دے کر مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ زیادہ تر مواد تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' تدبر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی' فی ظلال القرآن از سید قطب شہید مصری اور تفسیر ماجدی از مولانا عبدالماجد دریابادی کے تفسیری نکات سے لیا گیا ہے۔ ہر سورت کے آغاز میں سورت کا تعارف اور مرکزی مضمون بیان کیا گیا ہے جس سے سورت کے مطالعہ سے قبل تفہیم کے لیے بنیادی باتوں کا علم ہو جاتا ہے اور تفہیم آسان ہو جاتی ہے۔ سورۃ کے تفسیری نکات بیان کرنے کے بعد آخر میں آیاتِ مبارکہ کی حکمت و بصیرت

کے عنوان کے تحت مختصر الفاظ میں سورت کے مضامین کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

کتاب کے آغاز میں قرآن کریم کے متعلق اہم موضوعات پر چند مفید مضامین بھی ہیں۔ اسی طرح ضمیمہ کے طور پر درجن بھر کارآمد اور معلوماتی تحریریں کتاب کے آخر پر موجود ہیں۔ یوں الفرقان (پارہ عَمَّ) کے مطالعہ سے ضخیم تفاسیر کا خلاصہ مل جاتا ہے۔

مصنف اپنا مقصود بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الفرقان کو چھاپ کر مادی نفع حاصل کرنے کا ادنیٰ سا خیال بھی ذہن میں نہیں ہے' بس فکر ہے تو یہی کہ اُمت مسلمہ قرآن جیسی گوہرِ نایاب کتاب کو مقصدِ حیات بنا کر اپنی عظمت رفتہ کو پھر سے پالے''۔ (ص ۱۳)

شیخ عمر فاروق یہ کتاب اُن لوگوں کو ہدیۃً دے رہے ہیں جو اس سے فائدہ اٹھانے کا عزم رکھتے ہوں' کسی جگہ درس قرآن دے رہے ہوں یا قرآن کو سمجھنے کا شوق رکھتے ہوں۔ یہ بات یاد رہے کہ وہ یہ کتاب بذریعہ ڈاک نہیں بھیجتے بلکہ ضرورت مند اُن سے مل کر بالمشافہ حاصل کر سکتے ہیں۔ کتاب کی تیاری میں عمدہ سفید کاغذ استعمال کیا گیا ہے اور کمپوزنگ نہایت خوبصورت ہے۔ کتاب حقیقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ حسن ظاہری سے بھی مالا مال ہے۔ ٹائٹل دلکش اور جلد مضبوط ہے۔

(۲)

نام کتاب : قرآن مجید کا مختصر اشاریہ

مصنف : ڈاکٹر اطہر محمد اشرف

ضخامت : 236 صفحات ۔ قیمت: 160 روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ ھدی للناس' B-268 ماریہ اپارٹمنٹ' بلاک 1' مین ناگن چورنگی' نارتھ کراچی

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا اوّلین سرچشمہ ہے۔ یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ قرآن مجید صرف ثواب کی خاطر پڑھنے کی کتاب نہیں بلکہ یہ تو ضابطۂ حیات ہے۔ اس کا موضوع انسان ہے۔ یہ انسان کو اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ہے۔ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا دنیا میں بھی پُرسکون زندگی گزارتا ہے اور آخرت میں بھی وہ ابدی اور لازوال نعمتیں پائے گا۔ اس لیے لازمی ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ اس ضمن میں بہت سے لوگوں نے کام کیا ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے اور تفسیریں لکھی

گئیں تاکہ دنیا میں بسنے والے تمام انسان اس پیغامِ حق کو سمجھ سکیں۔ قرآن مجید کے فہم کو آسان سے آسان تر انداز میں پیش کرنے کے لیے علماء نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں روزمرہ معاملات اور آخرت کو موضوع بنایا گیا ہے اور یہ سہولت فراہم کر دی گئی ہے کہ پڑھنے والا جس عنوان پر معلومات حاصل کرنا چاہے اس کے حوالہ جات اسے ایک جگہ پر مل جائیں' اور وہ قرآن مجید کی متعلقہ آیات کو پڑھ کر مکمل معلومات حاصل کر لے۔ مزید سہولت کی خاطر ضمنی عنوانات حروفِ تہجی کے لحاظ سے ترتیب دیے گئے ہیں تاکہ متعلقہ موضوع آسانی سے تلاش کیا جا سکے۔ الغرض یہ کتاب نہ صرف علمائے کرام اور طلبہ و طالبات کے لیے مفید ہے بلکہ ہر اُس شخص کے لیے بھی نفع بخش ہے جو اللہ کے کلام کو سمجھنا چاہے۔

کتاب کے شروع میں اہل علم و دانش کی آراء درج کی گئی ہیں جو انہوں نے اس کتاب کے بارے میں دی ہیں۔ یہ کتاب ہر پڑھے لکھے مسلمان گھرانے کی ضرورت ہے۔ کتاب کی کمپوزنگ میں کہیں کہیں اغلاط رہ گئی ہیں جن کی اصلاح ہونی چاہیے۔

(۳)

نام کتاب : مثالی استاد

مؤلف : حافظ محبوب احمد خان

ضخامت : 448 صفحات ۔ قیمت: 100 روپے

ملنے کا پتہ : مکتبہ رحمۃ للعالمین' جامع مسجد رحمۃ للعالمین' نذیر پارک' نزد ڈی ایم پبلک ہائی سکول غازی روڈ لاہور۔ موبائل: 0301-4870097

حافظ محبوب احمد خان شوقِ مطالعہ رکھنے والے صالح نوجوان ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا قابل قدر جذبہ رکھتے ہیں۔ دینی موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ شعبۂ تدریس سے باضابطہ منسلک نہیں ہیں' تاہم انہوں نے ایک اسلامی مراسلاتی مدرسہ بنایا ہوا ہے جس کے تحت چار مراسلاتی کورس بعنوان (۱) اسلام کیا ہے؟ (۲) ترجمہ قرآن کریم' (۳) آدابِ معاشرت اور (۴) دستورِ حیات جاری و ساری ہیں۔ ان کورسز کو جید عرب اور مقامی علماء کرام کی کتب سے ترتیب دیا گیا ہے' جن کے ذریعے ملک بھر میں زندگی

کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے طلبہ و طالبات استفادہ کر رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب مثالی استاد اُن کے وسیع مطالعے کا نتیجہ ہے جس میں وہ صرف استاد کے حقوق و فرائض کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ تعلیم و تعلّم کے عمل کے تمام گوشوں پر سیر حاصل راہ نمائی مہیا کرتے ہیں۔ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں سے چند اہم ابواب کے عنوانات اس طرح ہیں: اسلامی فلسفہ تعلیم و طریق تربیت' تعلیم اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں' عہد نبوی اور خلافتِ راشدہ کا نظام تعلیم' محمدؐ رسول اللہ ﷺ بطورِ معلم' اصلاح کا طریقہ کار' حکمت تعلیم و تربیت' نظام تعلیم کے بنیادی عناصر' معلم کے اوصاف' تدریس کے عام اصول' ادارے کی تنظیم کے اصول' طلباء کی نفسیاتی شخصیت بنانے کے چند عمدہ اُصول' اساتذہ اور طلبہ کے حقوق و فرائض' بزرگوں کے نصیحت آموز واقعات' اسلامی نظریہ تعلیم و تربیت۔ اس کے علاوہ انہوں نے جابجا نامور اسلامی اساتذہ کے سبق آموز واقعات تحریر کیے ہیں جو آج کے استاد کے لیے مشعل راہ ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ گزشتہ ادوار کے اساتذہ خلوص و اخلاص' فرض شناسی اور قناعت میں آج کے اساتذہ سے بہت آگے تھے۔ وہ مضبوط کردار و عمل کے مالک ہوتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنے شاگردوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرتے تھے بلکہ اپنے طور طریقوں' عادات و خصائل اور اخلاق کی بلندی سے بھی اپنے طلبہ کو متاثر کرتے تھے۔ یوں وہ نہ صرف تعلیم دیتے تھے بلکہ تربیت بھی کرتے تھے۔ مؤلف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آج کے استاد کو حصول زر کے چکر سے نکل کر خلوص کو اپنانا اور قناعت اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اپنے کردار کا ایسا نمونہ پیش کرنا چاہیے جو خود کار طریقے سے طلبہ کے اندر اچھی عادتیں راسخ کر دے۔

کتاب کے آخری باب میں بطور خاص علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کو بیان کیا گیا ہے۔ جدید تعلیمی مفکرین نظام تعلیم کے ضمن میں جابجا علامہ اقبال کے تعلیمی نظریات کا حوالہ دیتے ہیں کہ علامہ اقبال سیکولر نظام تعلیم کے حامی تھے۔ اس نظریے کے رد کے لیے مؤلف نے علامہ اقبال کے الفاظ میں ہی اس بات کو واضح کیا ہے کہ علامہ نہ صرف اسلامی نظام تعلیم کے پرجوش حامی تھے بلکہ مغربی نظام تعلیم کے بھی سخت ناقد تھے۔

یہ کتاب سکول' کالج اور مدارس کے معلمین کے لیے یکساں مفید ہے۔ اگر یہ کتاب ٹیچرز ٹریننگ کالجز میں بطور درسی کتاب شامل کر لی جائے تو یہ نہایت اچھا فیصلہ ہوگا۔ محکمہ تعلیم کے ذمہ دار حضرات اس سلسلہ میں توجہ فرمائیں۔ کتاب کی کمپوزنگ معیاری اور کاغذ سفید ہے۔ جلد مضبوط اور ٹائٹل مناسب ہے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کا

رجوع الی القرآن کورس (پارٹ II)

اعلان برائے داخلہ

کورس کا نصاب

۱) مکمل ترجمۃ القرآن	۲) حدیث
۳) فقہ	۴) اصولِ تفسیر
۵) اصولِ حدیث	۶) اصولِ فقہ
۷) عقیدہ	۸) عربی زبان وادب
۹) عالم اسلام اور احیائی تحریکیں : ایک تاریخی اور تجزیاتی مطالعہ	۱۰) اضافی محاضرات

تدریس کا آغاز و دورانیہ :

اس کورس میں داخلے امسال مئی کے اواخر تک جاری رہیں گے۔ تدریس کا باقاعدہ آغاز ان شاءاللہ اوائل جون سے ہوگا اور اگلے سال مئی کے اواخر تک جاری رہے گا۔ کورس کا کل دورانیہ ایک سال ہے۔ طلبہ کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے کورس کو دو مساوی حصوں (سمسٹرز) میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر سمسٹر چھ ماہ کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ ہفتے میں چھ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل اتوار کو ہوگی۔

اہلیت : کورس میں داخلے کے لیے درج ذیل تعلیمی اہلیت (کم از کم) لازمی ہے:

۱) بی اے / بی ایس سی یا مساوی ڈگری

۲) رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I)

رابطہ و پراسپکٹس: شعبہ تدریس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 03-5869501، فیکس: 5834000
ای میل: irts@tanzeem.org